سورۂ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

آیاتہا ۳۸ ﴿۴۷ سورۃ محمد مدنیۃ ۹۵﴾ رکوعاتہا ۴

سورۂ قتال یہ سورت محمد ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کے مطابق یہ سورت مدنی ہے؛ نحاس نے اس کا ذکر کیا۔ ماوردی نے کہا: تمام کا قول یہی ہے (1) مگر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور قتادہ کا یہ قول ہے: مگر ایک آیت جو حجۃ الوداع کے بعد نازل ہوئی جب آپ مکہ مکرمہ سے نکلے آپ بیت اللہ شریف کی طرف دیکھ رہے تھے اور غم کی وجہ سے رو رہے تھے تو آپ پر یہ آیت نازل ہوئی: وَ كَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ هِيَ اَشَدُّ قُوَّةً مِّنْ قَرْيَتِكَ ثعلبی نے کہا: یہ مکی ہے؛ ابن ہبۃ اللہ نے ضحاک اور سعید بن جبیر سے نقل کیا ہے: یہ انتالیس آیات ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ اڑتیس آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ صَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ ①

"جنہوں نے (خود بھی) حق کا انکار کیا اور (دوسروں کو بھی) اللہ کی راہ سے روکتے رہے"۔

حضرت ابن عباس اور مجاہد نے کہا: اس سے مراد اہل مکہ ہیں (2) جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی توحید کا انکار کیا انہوں نے اپنے آپ کو اور مومنوں کو اللہ تعالیٰ کے دین سے روکا وہ دین اسلام ہے وہ مومنوں کو اس دین میں داخل ہونے سے روکا کرتے تھے؛ (3) یہ سدی کا قول ہے۔ ضحاک نے کہا: عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ سے مراد عن بیت اللہ جو بیت اللہ شریف کا قصد کرتے وہ انہیں روکتے۔ اَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ ① کا معنی ہے اللہ تعالیٰ نے ان کے ان مکر و فریب کو باطل کر دیا (4) جو وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کیا کرتے تھے اور ان کا وبال ان پر ڈال دیا؛ یہ ضحاک کا نقطہ نظر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہوں نے حالت کفر میں جو اعمال کیے جنہیں وہ مکارم کا نام دیتے تھے جیسے صلہ رحمی، قیدیوں کو آزاد کرانا، مہمانوں کی خدمت کرنا، پڑوسیوں کی حفاظت کرنا ان سب کو باطل کر دیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یہ آیت بدر میں کھانا کھلانے والوں کے بارے میں نازل ہوئی (5) وہ کل بارہ افراد تھے ابوجہل، حارث بن ہشام، عتبہ، شیبہ جو دونوں ربیعہ کے بیٹے تھے ابی، امیہ جو خلف کے بیٹے تھے منبہ، نبیہ جو حجاج کے بیٹے تھے، ابوالبختری بن ہشام، زمعہ بن اسود، حکیم بن حزام اور حارث بن نوفل۔

وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ اٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۙ كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَ اَصْلَحَ بَالَهُمْ ②

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 290
2۔ تفسیر طبری، جز 26، صفحہ 47
3۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 290
4۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 314
5۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 151

''اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے اور ایمان لے آئے جو اتارا گیا (رسول معظم) محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور وہی حق ہے ان کے رب کی طرف سے اللہ تعالیٰ نے دور کر دیں ان سے ان کی برائیاں اور سنوار دیا ان کے حالات کو''۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ حضرت ابن عباس اور مجاہد نے کہا: اس سے مراد انصار ہیں مقاتل نے کہا: یہ قریش کے چند افراد کے حق میں نازل ہوئی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ دونوں مومنوں اور کافروں کے بارے میں عام ہیں۔ اَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ ۝ کا معنی ہے ان کو باطل کر دیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہیں ہدایت پانے سے گمراہ کر دیا اس کی صورت یہ تھی کہ انہیں توفیق دینے سے پھیر دیا۔ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جس نے کہا: اس کا مصداق انصار ہیں اس نے صالحات سے مراد ان کو گھر دینے اور مال دینے میں ان کے ساتھ ہمدردی کرنا لیا ہے۔ جس نے کہا: مراد قریش ہیں تو عمل صالح سے مراد ہجرت ہے۔ جس نے کہا: یہاں عام مراد ہے تو صالحات سے مراد تمام وہ اعمال ہیں جن سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہے۔

وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر جو کچھ نازل کیا گیا اس کے ساتھ کسی چیز میں مخالفت نہیں کی؛ یہ سفیان ثوری کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو لائے اس کے بارے میں آپ کی تصدیق کی۔

وَهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ اس سے مراد ہے کہ ان کا ایمان ہی ان کے رب کی جانب سے حق تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ قرآن ان کے رب کی جانب سے حق ہے جو اس سے قبل وحی آئی تھی اسے منسوخ کر دیا۔ كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ مراد وہ سیآت ہیں جو ایمان لانے سے پہلے انہوں نے کی تھیں ان کو اس نے معاف کر دیا وَاَصْلَحَ بَالَهُمْ ۝ ان کے عمل کو درست کر دیا؛ یہ مجاہد اور دوسرے علماء سے مروی ہے۔ قتادہ نے کہا: ان کے حال کو درست کر دیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: ان کے امور کو درست کر دیا تینوں کا معنی قریب قریب ہے۔ اس کی یہ تاویل بھی کی گئی ہے جو امور ان کی دنیا سے متعلق ہیں ان کو درست کر دیا نقاش نے یہ حکایت بیان کی ہے کہ معنی ہے ان کی نیتوں کو درست کر دیا۔ شاعر نے کہا:

فإن تُقبلی بالودّ أقبل بمثله ۔۔۔ وإن تدبری أذهب إلى حال بالیا(1)

یہ اس تاویل کی بنا پر ان کے دین کی اصلاح پر محمول ہوگا۔ بال مصدر کی طرح ہے اس کا فعل معروف نہیں ضرورت شعری کے سوا عرب اس سے جمع کا صیغہ نہیں لاتے مگر ضرورت شعری میں ایسا کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں: بالات۔ مبرد نے کہا: بعض اوقات بال کسی اور جگہ قلب کے معنی میں ہوتا ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: مایخطر فلان علی بالی فلاں میرے دل پر نہیں کھٹکتا۔ جوہری نے کہا: بال کا معنی نفس کی فارغ البالی ہے۔ یہ جملہ کہا جاتا ہے: فلان رخی البال فلاں فارغ البال ہے۔ بال کا معنی حال ہے، یہ جملہ کہا جاتا ہے: مابالك تیرا کیا حال ہے۔ ان کا قول ہے: لیس هذا من بالی یہ وہ چیز نہیں جس کی میں پرواہ کرتا ہوں۔ بال سے مراد سمندر کی مچھلیوں میں سے بڑی مچھلی ہے۔ یہ عربی لفظ نہیں۔ بالہ خوشبو والے برتن کو کہتے ہیں۔ یہ فارسی سے معرب ہے فارسی زبان میں یہ اصل میں بیلہ تھا۔ ابوذ ؤیب نے کہا:

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 291

كأن　عليها　بالة　لطيبة　لها من خلال الدأيتين أريج

ذٰلِكَ بِاَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوا اتَّبَعُوا الْبَاطِلَ وَ اَنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبَعُوا الْحَقَّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۭ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ اَمْثَالَهُمْ ③

''(یوں) اس لیے کہ جنہوں نے کفر کیا وہ باطل کی پیروی کرتے تھے اور جو ایمان لائے تھے وہ حق کی پیروی کرتے تھے جو ان کے رب کی طرف سے تھا اسی طرح بیان کرتا ہے اللہ تعالیٰ لوگوں کے لیے ان کے حالات''۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوا اتَّبَعُوا الْبَاطِلَ وَ اَنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبَعُوا الْحَقَّ مِنْ رَّبِّهِمْ ذلك اسم اشارہ یہ محل رفع میں ہے۔ یعنی الامر كذلك۔ معاملہ اسی طرح ہے یا تقدیر کلام یہ ہوگی ذلك الاضلال والهدى جن دونوں کا ذکر گذر چکا ہے اس کا سبب یہ ہے کافر نے باطل کی پیروی کی اور مومن نے حق کی پیروی کی۔ باطل سے مراد شرک اور حق سے مراد توحید و ایمان ہے۔

كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ اَمْثَالَهُمْ ③ یعنی اس بیان کی طرح جس کی وضاحت کی گئی ہے اللہ تعالیٰ لوگوں کے لیے نیکیوں اور برائیوں کے معاملہ کی وضاحت کرتا ہے اَمْثَالَهُمْ میں جو ضمیر ہے وہ الَّذِيْنَ كَفَرُوا اور الَّذِيْنَ اٰمَنُوا کی طرف لوٹ رہی ہے۔

فَاِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوا فَضَرْبَ الرِّقَابِ ۭ حَتّٰٓى اِذَآ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ ۙ فَاِمَّا مَنًّۢا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَاۗءً حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا ڃ ذٰلِكَ ڕ وَلَوْ يَشَاۗءُ اللّٰهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ وَلٰكِنْ لِّيَبْلُوَا بَعْضَكُمْ بِبَعْضٍ ۭ وَالَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَنْ يُّضِلَّ اَعْمَالَهُمْ ④

''پھر جب (میدان جنگ میں) تمہارا کفار سے آمنا سامنا ہو تو ان کی گردنیں اڑا دو یہاں تک کہ جب انہیں خوب قتل کر لو تو پھر کس کر باندھو رسیاں بعد ازاں یا تو احسان کر کے ان کو رہا کر دو یا ان سے فدیہ لو یہاں تک کہ جنگ اپنے ہتھیار ڈال دے، یہی حکم ہے، اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو خود ہی ان سے بدلہ لے لیتا لیکن وہ آزمانا چاہتا ہے تمہیں بعض کو بعض سے، اور جو مارڈالے گئے اللہ کی راہ میں پس اللہ ان کے اعمال ضائع نہیں ہونے دے گا''۔

اس میں چار مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ فَاِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوا فَضَرْبَ الرِّقَابِ جب دونوں فریقوں کو الگ الگ کر لیا تو کفار کے ساتھ جہاد کا حکم دیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: کفار سے مراد مشرک ہیں جو بتوں کے پجاری تھے (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 293

ہے: اس سے مراد ہر وہ فرد ہے جو دین کا مخالف ہے وہ مشرک ہو یا کتابی ہو جبکہ اس کا کوئی عہد و پیمان نہ ہو؛ یہ ماوردی نے ذکر کیا اور ابن عربی نے اسے پسند کیا ہے اور کہا: عموم آیت کی وجہ سے یہی صحیح ہے(1)۔ فَضَرْبَ الرِّقَابِ مفعول مطلق ہے۔ زجاج نے کہا: فاضربوا الرقاب ضربا رقاب کا خصوصاً ذکر کیا کیونکہ قتل عموماً اسی کے ذریعے ہوتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ اغراء کی وجہ سے منصوب ہے۔ ابو عبیدہ نے کہا: یہ کلام اس طرح ہے جس طرح تو کہتا ہے: یا نفس صبرا ایک قول یہ کیا گیا ہے: تقدیر کلام اقصدوا ضرب الرقاب ہے ارشاد فرمایا: فَضَرْبَ الرِّقَابِ۔ یہ نہیں کہا ما اقتلوھم کیونکہ قتل کے لفظ کی بجائے ضرب رقاب میں سختی کا معنی پایا جاتا ہے کیونکہ اس میں خوفناک ترین صورت میں اس کے قتل کی تصویر کشی کی گئی ہے۔ وہ اس کی گردن کا کاٹنا اور ایسے عضو کو اڑانا ہے جو بدن کا سردار، اس کا بلند حصہ اور وجیہ ترین عضو ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ یعنی جب تم قتل کا عمل زیادہ کر چکو۔ سورۂ انفال میں یہ بحث حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ میں گذر چکی ہے۔ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ یعنی جب تم قیدی بنا چکو۔ وثاق یہ ایثاق کا اسم ہے بعض اوقات یہ مصدر ہوتا ہے۔ یہ کہا جاتا ہے: أوثقتہ ایثاقا و وثاقا جہاں تک وثاق کا تعلق ہے تو یہ اس چیز کو کہتے ہیں جس کے ساتھ کسی چیز کو باندھا جاتا ہے، جس طرح رباط یہ قشیری کا نقطہ نظر ہے۔ جوہری نے کہا: اوثقه فی الوثاق یعنی اسے باندھا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَشُدُّوا الْوَثَاقَ، وثاق واؤ کے کسرہ کے ساتھ، اس میں یہ لغت ہے۔ باندھنے کا حکم اس لیے دیا تاکہ وہ کھسک ہی نہ جائیں۔

فَاِمَّا مَنًّۢا یعنی یا تو بغیر فدیہ کے مطلق ان پر احسان کیا جائے وَ اِمَّا فِدَآءً یا فدیہ لے کر انہیں آزاد کیا جائے۔ ان دونوں کو فعل مضمر کے ساتھ نصب دی گئی ہے۔ اسے فدی الف مقصورہ کی صورت میں فاء کے فتحہ کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی فاما أن تمنوا علیھم منا واما أن تفادوھم فداء۔ بعض علماء سے یہ مروی ہے کہ میں حجاج کے پاس کھڑا تھا جب عبد الرحمٰن بن اشعث کے ساتھی اس کے پاس لائے گئے ان کی تعداد چار ہزار آٹھ سو تھی اس نے تین ہزار کے قریب افراد کو قتل کر دیا یہاں تک کہ کندہ قبیلہ کا ایک آدمی اس کے پاس آیا اس نے کہا: اے حجاج! تو سنت اور کرم سے اعراض کرے گا تو اللہ تعالیٰ تجھے بھلائی کے ساتھ بدلہ نہیں دے گا۔ اس نے پوچھا: یہ کیوں؟ اس آدمی نے کہا: کیونکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: فَاِمَّا مَنًّۢا بَعْدُ وَ اِمَّا فِدَآءً یہ ان لوگوں کے بارے میں ہے جنہوں نے کفر کیا۔ اللہ تعالیٰ کی قسم! نہ تو نے احسان کیا اور نہ ہی فدیہ لیا۔ تمہارے شاعر نے کہا جبکہ وہ تمہارے مکارم، صدق کا وصف بیان کرتا ہے:

ولانقتل الأسری ولانفکھم إذا أثقل الأعناق حِملُ المغارم

نہ ہم قیدیوں کو قتل کرتے ہیں اور نہ ہی ہم انہیں چھڑاتے ہیں جب چٹیوں کے بوجھ گردنوں کو بوجھل کر دیں۔

حجاج نے کہا: ان مردہ لاشوں پر افسوس! کیا ان میں کوئی بھی ایسا شخص نہ تھا جو اس قسم کی کلام اچھے انداز میں کرتا۔ جو لوگ بچ گئے ہیں ان کو آزاد کر دو۔ اس روز باقی قیدیوں کو آزاد کر دیا گیا۔ اس آدمی کے بقول وہ دو ہزار تھے۔

مسئلہ نمبر 3۔ علماء نے اس آیت کی تاویل میں اختلاف کیا ہے اور پانچ اقوال ذکر کیے ہیں:

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1700

1۔ یہ منسوخ ہے، یہ بتوں کے پجاریوں کے بارے میں ہے ان سے فدیہ لینا اور ان پر احسان کرنا جائز نہیں ان کے نزدیک اس کا ناسخ الله تعالیٰ کا فرمان ہے: فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ (التوبہ:5) الله تعالیٰ کا فرمان ہے: فَاِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِي الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِمْ مَّنْ خَلْفَهُمْ (الانفال:57) الله تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ قَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً (التوبہ:36) یہ قتادہ، ضحاک، سدی، ابن جریج اور عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے؛ کوفہ کے بہت سے علماء نے یہی بات کی ہے۔ عبدالکریم جوزی نے کہا: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف ایک کے بارے میں خط لکھا گیا جو قید کیا گیا تھا (1)۔ انہوں نے یہ ذکر کیا کہ اس نے اتنے اتنے فدیہ کے بدلے میں جان بخشی کی التماس کی ہے۔ فرمایا: اسے قتل کر دو ایک مشرک آدمی کا قتل مجھے اتنے اتنے مال کی بنسبت زیادہ محبوب ہے۔

2۔ یہ تمام کفار کے بارے میں ہے علماء اور اہل نظر کی ایک جماعت کے قول کے مطابق یہ منسوخ ہے ان میں قتادہ اور مجاہد بھی ہیں۔ انہوں نے کہا: جب مشرک کو قید کیا جائے تو اس پر احسان کرنا جائز نہیں اور نہ اس سے شرط پر فدیہ لینا جائز ہے کہ اسے واپس مشرکوں کے حوالے کر دیا جائے گا۔ ان کے نزدیک صرف عورت کا فدیہ لینا جائز ہے کیونکہ اس کو قتل نہیں کیا جا سکتا، اس آیت کی ناسخ آیت فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ (التوبہ:5) ہے کیونکہ سورۂ براءت سب سے آخر میں نازل ہوئی۔ ضروری ہے کہ مشرک کو قتل کر دیا جائے مگر جس کے قتل کو ترک کرنے میں دلیل قائم ہو جس طرح عورتیں، بچے اور جن سے فدیہ لیا جاتا ہے؛ امام ابوحنیفہ کا مشہور مذہب بھی یہی ہے۔ وجہ یہ خوف ہے کہ دوبارہ مسلمانوں سے جنگ کرنے کے لیے آمادہ نہ ہو جائیں۔

عبدالرزاق، معمر سے وہ قتادہ سے روایت نقل کرتے ہیں فَاِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَ اِمَّا فِدَآءً اسے فَشَرِّدْ بِهِمْ مَّنْ خَلْفَهُمْ (الانفال:57) نے منسوخ کر دیا۔ مجاہد نے کہا: اسے فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ (التوبہ:5) نے منسوخ کیا ہے؛ یہ حکم کا قول ہے۔

3۔ یہ آیت ناسخ ہے؛ یہ ضحاک اور دوسرے علماء کا قول ہے۔ ثوری نے جویبر سے وہ ضحاک سے روایت نقل کرتے ہیں فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ (التوبہ:5) کو فَاِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَ اِمَّا فِدَآءً نے منسوخ کر دیا ہے۔ ابن مبارک نے ابن جریج سے وہ عطا سے روایت نقل کرتے ہیں فَاِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَ اِمَّا فِدَآءً مشرک کو قتل نہیں کیا جائے گا بلکہ اس پر احسان کیا جائے گا اور اس سے جزیہ لیا جائے گا (2)، جس طرح الله تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ اشعث نے کہا: حضرت حسن بصری قیدی کو قتل کرنے کو ناپسند کرتے تھے اور یہ آیت پڑھا کرتے فَاِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَ اِمَّا فِدَآءً حضرت حسن بصری نے یہ بھی کہا آیت میں تقدیم و تاخیر ہے گویا فرمایا: فضرب الرقاب حتی تضع الحرب اوزارھا پھر فرمایا: حَتّٰۤى اِذَاۤ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ اور اس نے یہ گمان کیا کہ امام کو حق حاصل نہیں کہ جب قیدی اس کے ہاتھ میں ہو تو وہ اسے قتل کرے لیکن اسے تین چیزوں میں اختیار ہے۔

1۔ تفسیر طبری، جز 26، صفحہ 50
2۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 34

1۔ اس پر احسان کرے۔ 2۔ اس سے فدیہ لے۔ 3۔ اس کو غلام بنالے۔

4۔ سعید بن جبیر کا قول ہے: فدیہ اور قید کرنا نہیں مگر جب تلوار سے بہت زیادہ افراد کو قتل کیا جا چکا ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗۤ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ (الانفال: 67) جب اس کے بعد قیدی بنائے جائیں تو امام کو حق حاصل ہے کہ جو اس کی رائے ہو اس پر عمل کرے خواہ وہ قتل کرے یا کوئی اور معاملہ کرے۔

5۔ آیت محکم ہے امام کو ہر حال میں اختیار ہے؛ اسے علی بن طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے؛ یہ قول کثیر علماء نے کیا ہے ان میں حضرت ابن عمر، حضرت حسن بصری، عطا ہیں یہی امام مالک، امام شافعی، ثوری، اوزاعی، ابوعبید وغیرہ کا قول ہے۔ یہی پسندیدہ نقطہ نظر ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین نے یہ کیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عقبہ بن ابی معیط اور نضر بن حارث کو غزوہ بدر کے موقع پر انتقام کے طور پر قتل کیا تھا اور باقی بدر کے قیدیوں سے فدیہ لیا تھا۔ ثمامہ بن اثال حنفی جبکہ وہ آپ کے پاس قیدی تھا پر احسان کیا تھا، سلمہ بن اکوع سے لونڈی لی تھی اور اس کے ساتھ مسلمانوں کے بہت سے لوگوں کا فدیہ دیا تھا۔ اہل مکہ میں سے کچھ لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں پکڑ لیا تھا اور ان پر احسان کیا تھا، آپ نے ہوازن کے قیدیوں پر احسان کیا تھا۔ یہ سب صحیح میں ثابت ہے اور یہ سب باتیں سورۃ الانفال میں گذر چکی ہیں۔ نحاس نے کہا: یہ تعبیر اس شرط پر ہے کہ یہ دونوں آیتیں محکم ہیں ان دونوں پر عمل کیا جاتا ہے وہ حضرت حسن بصری کا قول ہے کیونکہ نسخ قطعی امر کے لیے ہوتا ہے جب دونوں آیتوں پر عمل کرنا ممکن ہو تو نسخ کے قول کا کوئی معنی نہیں جب یہ جائز ہے کہ اس حکم پر عمل کیا جائے جب کافروں سے ہماری مڈبھیڑ ہو تو ہم ان کو قتل کریں جب قیدی بنایا جائے گا تو قتل کرنا، غلام بنانا، فدیہ دینا اور احسان کرنا بھی جائز ہوگا جس میں مسلمانوں کے لیے خیر کا پہلو موجود ہو؛ یہ قول اہل مدینہ، امام شافعی اور ابوعبید سے مروی ہے۔ امام طحاوی نے ایک رائے امام اعظم ابوحنیفہ سے بھی یہی بیان کی ہے، مشہور وہ ہے جو ہم نے پہلے ذکر کی ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا مجاہد اور ابن جبیر نے کہا: اس سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تشریف لانا ہے(1)۔ مجاہد سے یہ بھی مروی ہے: معنی ہے کوئی دین نہیں ہے مگر دین اسلام۔ ہر یہودی، ہر نصرانی اور ہر ملت والا اسلام قبول کرے اور بکری بھیڑیے سے بے خوف ہو جائے، اسی کی مثل حضرت حسن بصری، فراء اور کسائی سے قول مروی ہے۔ کسائی نے کہا: یہاں تک کہ مخلوق مسلمان ہو جائے۔ فراء نے کہا: یہاں تک کہ وہ ایمان لے آئیں اور کفر ناپید ہو جائے۔ کلبی نے کہا: یہاں تک کہ اسلام تمام ادیان پر غالب آجائے (2)۔ حضرت حسن بصری نے کہا: یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں (3)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اوزار کا معنی اسلحہ ہے، معنی ہے رسیاں باندھ دو یہاں تک کہ تم امن میں ہو جاؤ اور تم اسلحہ رکھ دو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے یہاں تک کہ جنگ ختم ہو جائے یعنی وہ دشمن جو برسر پیکار تھے وہ اپنے اوزار رکھ دیں۔ اوزار سے مراد ان کا اسلحہ ہے یعنی شکست کھا جائیں یا جنگ کو ترک کر دیں، اور خچروں کو بھی اوزار

1۔ تفسیر طبری، جز 26، صفحہ 51 2۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 294 3۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 36

کہتے ہیں، اعشی نے کہا:

وأعددت للحرب أوزارها رماحا طوالا وخيلا ذكورا(1)

میں نے جنگ کے لیے خچروں کو تیار کیا ہے لمبے نیزے اور مذکر گھوڑے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: حَتّٰی تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا کا معنی ہے یہاں تک کہ وہ اپنے بوجھ رکھ دے، اوزار کا معنی بوجھ ہے، اسی معنی میں وزیر الملک ہے کیونکہ وہ بادشاہ کی جانب سے بوجھ اٹھاتا ہے۔ اثقالها سے مراد اسلحہ ہے کیونکہ اس کا بوجھ بڑا وزنی ہوتا ہے۔ ابن عربی نے کہا: حضرت حسن بصری اور عطا نے کہا آیت میں تقدیم و تاخیر ہے، معنی ہے گردنیں اڑاؤ یہاں تک کہ جنگ اپنا بوجھ اتار دے جب تم ان کو کثرت سے قتل کر چکو تو رسیوں کو مضبوطی سے باندھو۔ امام کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ اسیر کو قتل کرے۔ حجاج سے مروی ہے کہ اس نے ایک قیدی حضرت عبداللہ بن عمر کے حوالے کیا تا کہ آپ اسے قتل کریں تو آپ نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا اور کہا: اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس کا حکم نہیں دیا اور یہ آیت پڑھی حَتّٰۤی اِذَاۤ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ ہم نے کہا ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا اور اس پر عمل بھی کیا احسان کرنے اور فدیہ لینے کی وضاحت میں کسی غیر چیز کے منع کا ذکر نہیں اللہ تعالیٰ نے زنا کے بارے میں کوڑے مارنے کا حکم دیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم کا حکم دیا حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے شائد حجاج کے ہاتھ سے قیدی لے کر قتل کرنے کو مکروہ جانا اور اس نے جو کہا تھا اس سے معذرت کر لی۔ تیرا رب خوب جانتا ہے۔

ذٰلِكَ ۛؕ وَ لَوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ ذلك محل رفع میں ہے جس طرح پہلے گذر چکا ہے تقدیر کلام یہ ہوگی الأمر ذلك الذی ذکرت و بینت۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ اس معنی کی بنا پر منصوب ہے افعلوا ذلك یہ بھی جائز ہے کہ یہ مبتدا ہو، معنی ہے یہ کفار کا حکم ہے یہ ایسا کلمہ ہے جسے فصیح اس وقت استعمال کرتا ہے جب وہ ایک کلام سے دوسری کلام کی طرف نکلتا ہے، وہ اسی طرح ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: هٰذَا ؕ وَ اِنَّ لِلطّٰغِيْنَ لَشَرَّ مَاٰبٍ ۝ (ص) یعنی یہ حق ہے اور میں تمہیں آگاہ کرتا ہوں کہ ظالموں کے لیے یہ انجام ہے لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ کا معنی ہے انہیں جنگ کے بغیر ہلاک کر دیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: انہیں فرشتوں کے لشکروں کے ساتھ ہلاک کر دے گا۔

وَ لٰكِنْ لِّيَبْلُوَاۡ بَعْضَكُمْ بِبَعْضٍ یعنی تمہیں جنگ کا حکم دیا تا کہ وہ آزمائے اور تم میں سے بعض کو بعض کے ساتھ امتحان میں ڈالے تو وہ مجاہدین اور صبر کرنے والوں سے آگاہ ہو جائے، جس طرح اس سورت میں ہے۔

وَ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اس سے مراد غزوہ احد میں شہید ہونے والے مومن ہیں فَلَنْ يُّضِلَّ اَعْمَالَهُمْ عام قراءت قاتلوا ہے؛ یہ ابو عبید کا اختیار ہے۔ ابو عمرو اور حفص نے قُتِلُوْا قاف کے ضمہ اور تاء کے کسرہ کے ساتھ قراءت کی ہے۔ حضرت حسن بصری کی قراءت اس طرح ہے مگر انہوں نے تاء کو مشدد پڑھا ہے تا کہ کثرت کے معنی پر دلالت کرے۔ جحدری، عیسیٰ بن عمر اور ابو حیوہ نے قتلوا الف کے بغیر پڑھا ہے۔ مراد ہے جنہوں نے مشرکوں کو قتل کیا۔ قتادہ نے لکھا

1۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 36

ہمارے سامنے یہ ذکر کیا گیا ہے کہ یہ آیت غزوہ احد کے موقع پر نازل ہوئی جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک گھاٹی میں موجود تھے۔ صحابہ کرام میں زخم اور شہادت کا عمل بہت ہو چکا تھا مشرکوں نے اعلان کیا: اعل ھبل مسلمانوں نے نعرہ لگایا: اللہ اعلی واجل۔ مشرکوں نے کہا: یہ دن بعد کے دن کے مقابل ہے اور جنگ میں اونچ نیچ ہوتی رہتی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''اے مومنو! تم کہو کوئی برابری نہیں، ہمارے مقتول اپنے رب کے ہاں زندہ ہیں انہیں رزق دیا جاتا ہے اور تمہارے مقتول آگ میں ہیں انہیں عذاب دیا جاتا ہے''۔ مشرکوں نے کہا: ہمارا عزی ہے اور تمہارا کوئی عزی نہیں (1)۔ مسلمانوں نے کہا: اللہ ہمارا مولیٰ ہے اور تمہارا کوئی مولیٰ نہیں۔ اس کا ذکر سورۂ آل عمران میں گذر چکا ہے۔

سَيَهْدِيهِمْ وَيُصْلِحُ بَالَهُمْ ۝

''وہ پہنچا دے گا انہیں بلند مدارج پر اور سنوار دے گا ان کے حالات کو''۔

قشیری نے کہا: ابوعمرو کی قراءت قتلوا بڑی بعید ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: سَيَهْدِيهِمْ وَيُصْلِحُ بَالَهُمْ ۝ مقتول کی یہ صفت نہیں ذکر کی جاتی۔ دوسرے علماء نے کہا: معنی ہے عنقریب وہ انہیں جنت کی طرف لے جائے گا ان میں جو باقی ہیں انہیں ہدایت عطا فرما دے گا۔ ابن زیاد نے کہا: وہ قبر میں منکر و نکیر کے ساتھ دلیل قائم کرنے میں ان کی رہنمائی کرے گا (2)۔ ابوالمعالی نے کہا: بعض اوقات ہدایت کا لفظ استعمال ہوتا ہے اور اس سے مراد مومنوں کو جنت کے راستوں کی طرف راہنمائی کرنا اور ایسے راستوں کی طرف راہنمائی کرنا ہے جو جنت کی طرف جاتے ہیں۔ اس معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے جو مجاہدین کی صفت میں ہے: فَلَنْ يُضِلَّ أَعْمَالَهُمْ ۝ سَيَهْدِيهِمْ اس معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَاهْدُوهُمْ إِلَىٰ صِرَاطِ الْجَحِيمِ ۝ (فالصافات: 23) اس کا معنی ہے انہیں اس کی طرف تم لے جاؤ۔

وَيُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ عَرَّفَهَا لَهُمْ ۝

''اور داخل کرے گا انہیں بہشت میں جس کی پہچان اس نے انہیں کرا دی تھی''۔

جب وہ جنت میں داخل ہوں گے تو انہیں کہا جائے گا: اپنے اپنے گھروں میں چلے جاؤ تو وہ اپنے گھروں کو ان جمعہ پڑھنے والوں سے زیادہ جانتے ہوں گے جب وہ اپنے گھروں کی طرف لوٹتے ہیں؛ یہ معنی مجاہد اور اکثر مفسرین نے بیان کیا ہے۔ بخاری شریف میں ایسی حدیث موجود ہے جو اس قول کی صحت پر دلالت کرتی ہے جو حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''مومنوں کو جہنم سے چھٹکارا دیا جائے گا تو انہیں جنت اور جہنم کے درمیان پل پر روک لیا جائے گا تو ان میں سے بعض کے بعض پر مظالم کو بیان کیا جائے گا جو ان کے درمیان ہوئے تھے یہاں تک کہ جب انہیں پاک صاف کر دیا جائے گا تو انہیں جنت میں داخل ہونے کی اجازت دے دی جائے گی (3)۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں محمد کی جان ہے! ان میں سے ایک جنت میں اپنے گھر کے بارے میں دنیا میں اپنے گھر سے زیادہ آگاہ ہوگا۔ ایک قول یہ کیا

1۔ تفسیر طبری، جز 26، صفحہ 53 2۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 294

3۔ صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب القصاص یوم القیمۃ، جلد 2، صفحہ 967

گیا ہے: عَرَّفَهَا لَهُمْ ۝ اللہ تعالیٰ ان کے لیے بیان کرے گا یہاں تک کہ وہ بغیر راہنمائی طلب کیے اس کو پہچان لیں گے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے دنیا میں جنت کی صفت بیان کی جب وہ اس میں داخل ہوئے تو وہ اس کی صفت سے اسے پہچان گئے۔ ایک قول یہ کیا گیا: اس میں حذف ہے، تقدیر کلام یہ ہے عرف طرقها ومساكنها وبيوتها لهم تو مضاف کو حذف کر دیا گیا۔ ایک پہچان راہنمائی کی صورت میں ہوئی یعنی وہ فرشتہ جو بندے کے عمل پر مقرر تھا وہ اس بندے کے سامنے چلے گا اور بندہ اس کے پیچھے پیچھے چلے گا یہاں تک کہ بندہ اپنے مکان تک پہنچ جائے گا۔ فرشتہ ان تمام چیزوں کا اسے تعارف کروائے گا جو اس کے لیے جنت میں تیار کی گئیں۔ حضرت ابو سعید خدری سے مروی روایت اس کا رد کرتی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جنتیوں کے لیے مختلف قسم کی لذتوں کے ساتھ انہیں خوشبودار بنا دے گا۔ یہ عرف سے ماخوذ ہے۔ اس سے مراد پاکیزہ خوشبو ہے۔ طعام معرف خوشبودار کھانا۔ عرب کہتے ہیں: عرفت القدر یہ جملہ اس وقت بولتے ہیں جب تو اس میں نمک اور مصالحہ جات ڈال کر مزے دار بنا دے۔ شاعر ایک آدمی سے خطاب کرتا ہے اور اس کی مدح بیان کرتا ہے:

عَرُفْتَ كإتْبِ عرفته اللَّطائم

وہ اسے کہتا ہے: کما عَرُف الإتب اس سے مراد بقیرا اور بقیرہ ہے یہ ایسی قمیص ہوتی ہے جس کی آستین نہیں ہوتی جسے عورتیں پہنتی ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے کھانے کے زیادہ ہونے کی وجہ سے اسے ایک دوسرے کے اوپر رکھنا۔ یہ جملہ کہا جاتا ہے: حرير معرف یعنی اس کا بعض بعض پر ہے۔ یہ عرف متتابع سے مشتق ہے جس طرح گھوڑے کی گردن پر بال ہوتے ہیں ایک قول یہ کیا گیا ہے: عَرَّفَهَا لَهُمْ ۝ یعنی طاعت کی توفیق دی یہاں تک وہ جنت کے مستحق بن گئے۔ ایک قول یہ کیا گیا: اہل آسمان کو بتایا کہ یہ جنت ان کے لیے ہے مقصد ان کی کرامت کا اظہار تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا: اطاعت شعاروں کو پہچان کرائی کہ یہ جنت ان کے لیے ہے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ ۝

''اے ایمان والو! اگر تم اللہ (کے دین) کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد فرمائے گا اور (میدان جہاد میں) تمہیں ثابت قدم رکھے گا''۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ اگر تم اللہ تعالیٰ کے دین کی مدد کرو گے تو کفار کے خلاف اللہ تعالیٰ تمہاری مدد فرمائے گا، اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ (الحج: 40) یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔ قطرب نے کہا: اگر تم اللہ کے نبی کی مدد کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہاری مدد فرمائے گا۔ معنی ایک ہی ہے۔

وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ ۝ یعنی جنگ کے وقت تمہیں ثابت قدم رکھتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: اسلام پر ثابت قدم رکھتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: پل صراط پر تمہیں ثابت قدم رکھتا ہے۔ ایک قول کیا گیا مراد ہے: امن دے کر دلوں کو ثابت رکھتا ہے تو ثابت قدمی سے مراد جنگ کے وقت مدد کرنا ہے۔ سورۃ الانفال میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ وہاں ہی فرمایا: اِذْ يُوْحِيْ رَبُّكَ اِلَى

الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّيْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا (الانفال: 12) وہاں واسطہ کو ثابت رکھا اور یہاں اسکی نفی کر دی جس طرح اس آیت میں ملائکہ کو ثابت رکھا قُلْ يَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ (السجدۃ: 11) پھر اس قول میں اس کی نفی کر دی اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ (الروم: 40) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: الَّذِيْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ (الملک: 2) اس کی مثالیں بے شمار ہیں۔ فاعل حقیقی اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَتَعْسًا لَّهُمْ وَاَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ ۝

''اور جنہوں نے (حق کا) انکار کیا (خدا کرے) وہ منہ کے بل اوندھے گریں اور اللہ ان کے اعمال کو برباد کر دے''۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا مبتدا ہونے کی حیثیت میں رفع کا تقاضا کرتا ہے اور نصب اس وجہ سے جو اس کی تفسیر کر رہا ہے یعنی فَتَعْسًا لَّهُمْ گویا فرمایا: اتعس الذین کفروا۔ فَتَعْسًا لَّهُمْ یہ بددعا کے طریقہ پر مفعول مطلق کی حیثیت سے منصوب ہے: یہ فراء کا قول ہے، جس طرح سَقْيًا لَه و رَعْيًا۔ یہ کلام لعالہ کی ضد ہے کیونکہ لعا لعد عائیہ کلمہ ہے۔ اعشی نے کہا:

فالتعس أولى لها من أن أقول لعا (1)۔ میرا اس کے حق لعا کہنا اولیٰ تعس کہنے سے بہتر ہے۔

اس میں دس اقوال ہیں: 1۔ اس کا معنی ہے بعداً لهم (2)؛ یہ حضرت ابن عباس اور ابن جریج کا قول ہے۔ 2۔ حُزنًا لهم (3)؛ یہ سدی کا قول ہے۔ 3۔ شقاء لهم (4)؛ یہ ابن زید کا قول ہے۔ 4۔ شتما لهم من الله (5)؛ یہ حضرت حسن بصری کا قول ہے۔ 5۔ هلاكا لهم (6)؛ یہ ثعلب کا قول ہے۔ 6۔ خيبة لهم (7)؛ یہ ضحاک اور ابن زید کا قول ہے۔ 7۔ قبحا لهم (8)؛ یہ نقاش نے بیان کیا ہے۔ 8۔ رغما لهم (9)؛ یہ بھی ضحاک کا قول ہے۔ 9۔ شرا لهم؛ یہ بھی ثعلب کا قول ہے۔ 10۔ شقوة لهم؛ یہ ابوالعالیہ کا قول ہے۔ سب میں بددعا کا معنی پایا جاتا ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: تعس سے مراد انحطاط (10) (گرنا) اور لغزش کھانا ہے۔ ابن سکیت نے کہا: تعس کا معنی ہے منہ کے بل گرنا۔ نکس کا معنی ہے سر کے بل گرنا (11)۔ کہا: تعس کا معنی ہلاک ہونا ہے۔ جوہری نے کہا: اس کا اصل معنی منہ کے بل گرنا۔ یہ انتعاش (گرنے کے بعد اٹھنا) کی ضد ہے۔ قد تَعَس يَتْعَس تَعْسًا۔ أتعسه الله۔ مجمع بن ہلال نے کہا:

تقول وقد أفردتُها من خَلِيلها تَعِسْتَ كما أتْعَسْتَنِي يامُجَمِّعُ

یہ جملہ کہا جاتا ہے: تعسا لفلان۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر ہلاکت کو لازم کر دیا۔ قشیری نے کہا: ایک قوم نے تعس کو جائز قرار دیا ہے۔

میں کہتا ہوں: اسی معنی میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''دینار، درہم، وثار

1۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 318 2۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 295 3۔ ایضاً 4۔ ایضاً
5۔ ایضاً 6۔ ایضاً 7۔ ایضاً 8۔ ایضاً
9۔ ایضاً 10۔ ایضاً 11۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 112

(بڑی چادر جو پورے جسم کو ڈھانپ لے) اور سیاہ مربع چادر کا غلام ہلاک ہو گیا، اگر اسے عطا کیا جائے تو راضی ہو جاتا ہے اور اگر اسے نہ دیا جائے تو ناراض ہو جاتا ہے"(1)۔ اسے امام بخاری نے روایت کیا ہے اس حدیث کی بعض اسناد میں یوں مروی ہے تعس وانتکس واذا شیك فلا انتقش(2) اسے امام بخاری نے روایت کیا ہے سب میں بددعا کا معنی پایا جاتا ہے۔

وَ اَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ ۝ ان کے اعمال کو باطل کر دیا کیونکہ وہ شیطان کی طاعت میں تھے فَتَعْسًا میں فاء داخل ہوتی ہے اس ابہام کی وجہ سے جو الَّذِیْنَ میں ہے۔ وَ اَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ ۝ جملہ خبریہ ہے الَّذِیْنَ کے لفظ پر محمول ہے، کیونکہ یہ لفظ کے اعتبار سے خبر ہے فاء کا دخول معنی کے اعتبار سے ہے اور اَضَلَّ لفظ پر محمول کرتے ہوئے ذکر کیا ہے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَرِهُوْا مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ ۝

"یہ اس لیے کہ انہوں نے ناپسند کیا جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا تھا پس اس نے ضائع کر دیے ان کے اعمال"۔

ذٰلِكَ کا مشار الیہ الاضلال والاتعاس ہے۔ مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ سے مراد کتب اور شرائع ہیں۔ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ ۝ ان کے لیے بھلائی کی جو صورتیں موجود تھیں، جس طرح بیت اللہ شریف کی آبادی، مہمان نوازی، قربانی کی مختلف صورتیں۔ اللہ تعالیٰ مومن کے علاوہ کسی کا عمل قبول نہیں کرتا۔ ایک قول یہ کیا گیا: اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال یعنی بتوں کی عبادت کو برباد کر دیا۔

اَفَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَیَنْظُرُوْا كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ دَمَّرَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ ؗ وَ لِلْكٰفِرِیْنَ اَمْثَالُهَا ۝

"تو کیا انہوں نے سیر و سیاحت نہیں کی زمین میں تاکہ وہ خود دیکھ لیتے کہ کیسے انجام ہوا ان (منکروں) کا جو ان سے پہلے گزرے اللہ تعالیٰ نے ان پر تباہی نازل کر دی اور کفار کے لیے اسی قسم کی سزائیں ہیں"۔

اللہ تعالیٰ نے مومن اور کافر کے احوال کو بیان کیا تاکہ ایمان کے وجوب پر آگاہی ہو پھر اس امر کو نظر و فکر کے ساتھ ملایا۔ کیا یہ لوگ عاد، ثمود، قوم لوط وغیرہ کے علاقوں میں نہیں گھومے پھرے تاکہ ان سے عبرت حاصل کریں اور اپنے دلوں سے غور و فکر کریں کہ ان سے قبل جو کافر ہوئے ہیں ان کا انجام کیسے ہوا؟ اللہ تعالیٰ نے انہیں ہلاک کر دیا اور ان کو جڑ سے اکھیڑ دیا، یہ جملہ کہا جاتا ہے: دمرہ تدمیرا اور دمرعلیہ، دونوں کا معنی ایک ہی ہے پھر مشرکین مکہ کو دھمکی دی فرمایا: کافروں کے لیے اسی کی مثل ہے یعنی ان کے لیے بھی اسی کی مثل بربادی ہوگی۔ زجاج اور طبری نے کہا: ہاء ضمیر عاقبۃ کی طرف لوٹ رہی ہے قریش کے کافروں کے لیے ایسا ہی انجام ہوگا جیسا انجام ان لوگوں کا ہوا جو سابقہ امتوں میں سے تھے جنہوں نے جھٹلایا اگر یہ کفار قریش ایمان نہ لائے(3)۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ اَنَّ الْكٰفِرِیْنَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ ۝

"یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کا مددگار ہے اور کفار کا کوئی مددگار نہیں"۔

1۔ صحیح بخاری، کتاب الجهاد، باب الحراسة فی الغزو فی سبیل اللہ، جلد 1، صفحہ 404

2۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الزہد، صفحہ 315

3۔ تفسیر طبری، جز 26، صفحہ 56

یعنی اللہ تعالیٰ ان کا ولی اور مددگار ہوگا۔ حضرت ابن مسعود ؓ کی قراءت وہی ہے ذلك بان اللہ ولی الذین آمنوا ولی سے یہاں مراد مددگار ہے؛ یہ حضرت ابن عباس اور دوسرے علماء کا نقطہ نظر ہے۔ شاعر نے کہا:

فَغَدَتْ كِلَا الْفَرْجَيْنِ تحسب أنه مَوْلَى المخافة خَلْفُها وأمامُها

وہ گائے دونوں کھلے میدانوں کو گمان کرتی ہے کہ وہ آگے سے اور پیچھے سے خوف کی جگہ ہے۔

قتادہ نے کہا: یہ آیت غزوہ احد کے موقع پر نازل ہوئی جبکہ نبی کریم ﷺ ایک گھاٹی میں تھے جب مشرکوں نے یہ نعرہ لگایا تھا دن کے مقابلہ میں ہے لنا العزی ولا عزی لکم نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: قولوا اللہ مولانا ولا مولی لکم ''تم کہو اللہ ہمارا آقا ہے اور تمہارا کوئی آقا نہیں'' (1)۔ یہ بحث پہلے گذر چکی ہے۔

وَ اَنَّ الْكٰفِرِيْنَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ۠ اور کافروں کا کوئی مددگار نہیں جو اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں ان کی مدد کرے۔

اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ١ؕ وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَتَمَتَّعُوْنَ وَ يَاْكُلُوْنَ كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ وَ النَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ۠

''بے شک اللہ تعالیٰ داخل فرمائے گا جو ایمان لے آئے اور نیک عمل کرتے رہے (سدا بہار) باغات میں رواں ہیں جن کے نیچے نہریں، اور جنہوں نے کفر کیا وہ عیش اڑا رہے ہیں اور محض کھانے (پینے) میں مصروف ہیں ڈنگروں کی طرح حالانکہ آتش جہنم ان کا ٹھکانہ ہے''۔

اس آیت کی وضاحت کئی مواقع پر گذر چکی ہے۔ وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَتَمَتَّعُوْنَ جنہوں نے کفر کیا وہ دنیا میں لطف اندوز ہوں گے یا وہ چوپائے ہیں، ان کے لیے کوئی چیز اہمیت نہیں رکھتی مگر ان کے پیٹ اور ان کی شرمگاہیں، وہ آنے والے دن میں جو کچھ ہونے والا ہے اس سے غافل ہیں۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: مومن دنیا میں زاد راہ پر اکتفا کرتا ہے، منافق زیب و زینت کرتا ہے اور کافر لطف اندوز ہوتا ہے وَ النَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ۠ آگ ہی ان کا ٹھکانہ اور منزل ہے۔

وَ كَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ هِيَ اَشَدُّ قُوَّةً مِّنْ قَرْيَتِكَ الَّتِيْۤ اَخْرَجَتْكَ١ۚ اَهْلَكْنٰهُمْ فَلَا نَاصِرَ لَهُمْ۠

''اور بہت سی ایسی بستیاں تھیں جو قوت و شوکت میں تمہاری اس بستی سے کہیں زیادہ تھیں جس (کے باشندوں) نے آپ کو نکال دیا ہم نے ان بستیوں کے مکینوں کو ہلاک کر دیا پس کوئی ان کا مددگار نہ تھا''۔

وَ كَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ کاین کے بارے میں گفتگو آل عمران میں گذر چکی ہے، یہاں یہ کم کے معنی میں ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی وکم من قریۃ اخفش نے لبید کا شعر پڑھا۔

1۔ مسند احمد بن حنبل، جلد 4، صفحہ 293

كائن رأينا من ملوك وسوقة و مفتاح قيد للأسير المكبل(1)

کتنے ہی بادشاہوں اور رعیتوں کو دیکھا۔ اس کا معنی ہے کتنے ہی بستیوں والے ہیں۔ هِيَ اَشَدُّ قُوَّةً مِّنْ قَرْيَتِكَ الَّتِيْٓ اَخْرَجَتْكَ یعنی جنہوں نے آپ کو بستی سے نکالا ان سے وہ زیادہ طاقتور تھے اَهْلَكْنٰهُمْ فَلَا نَاصِرَ لَهُمْ قتادہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ سے غار ثور کی طرف نکلے تو مکہ مکرمہ کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا: ''اللھم اے مکہ تو اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب ہے اور مجھے سب شہروں سے زیادہ محبوب ہے اور مشرک جو تیرے اندر رہنے والے ہیں اگر مجھے نہ نکالتے تو میں تجھ سے نہ نکلتا'' تو یہ آیت نازل ہوئی (2)؛ اسے ثعلبی نے ذکر کیا یہ حدیث صحیح ہے۔

اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ كَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ ۝

''کیا وہ شخص جس کے پاس روشن دلائل ہیں اپنے رب کے پاس سے اس (بدبخت) کی مانند ہے آراستہ کر دیے گئے جس کے لیے اس کے برے اعمال اور وہ پیروی کرتے رہے اپنی خواہشوں کی''۔

اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ یہاں ہمزہ استفہام تقریری ہے۔ عَلٰى بَيِّنَةٍ کا معنی ہے ثبات و یقین پر؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ ابو العالیہ نے کہا: اس سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے (3) بَيِّنَةٍ سے مراد وحی ہے كَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ سوءِ عمل سے مراد بتوں کی عبادت ہے من سے مراد ابو جہل اور کفار ہیں۔

وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ ۝ یعنی جو خواہش کی اس کی پیروی کی۔ یہ تزئین، خلق کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ دعوت اور وسوسہ کے اعتبار سے شیطان کی جانب سے ہو۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ کافر کی جانب سے ہو، یعنی اس نے اپنے لیے اپنا برا عمل مزین کر کے پیش کیا اور کفر پر اصرار کیا اور سُوْٓءُ، من کے لفظ کا اعتبار کرتے ہوئے اور اتَّبَعُوْٓا معنی کا اعتبار کرتے ہوئے کہا۔

مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ؕ فِيْهَآ اَنْهٰرٌ مِّنْ مَّآءٍ غَيْرِ اٰسِنٍ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهٗ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى ؕ وَلَهُمْ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ وَمَغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ ؕ كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِي النَّارِ وَسُقُوْا مَآءً حَمِيْمًا فَقَطَّعَ اَمْعَآءَهُمْ ۝

''احوال اس جنت کے جس کا وعدہ متقیوں سے کیا گیا ہے اس میں نہریں ہیں ایسے پانی کی جس کی بو اور مزہ نہیں بگڑتا اور نہریں ہیں دودھ کی جس کا ذائقہ نہیں بدلتا اور نہریں ہیں شراب کی جو لذت بخشتی ہے پینے والوں کے لیے اور نہریں ہیں شہد کی جو صاف ستھرا ہے اور ان کے لیے اس میں ہر قسم کے پھل ہوں گے اور

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 296
2۔ جامع ترمذی، باب فی فضل مکۃ، حدیث نمبر 3861، ضیاء القرآن پبلی کیشنز
3۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 296

(مزید برآں ان کے لیے) بخشش ہوگی اپنے رب کی طرف سے (سوچو!) کیا یہ ان کی مانند ہوں گے جو
ہمیشہ آگ میں رہیں گے اور انہیں کھولتا پانی پلایا جائے گا اور وہ کاٹ دے گا ان کی آنتوں کو۔

مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِیْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ جب اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ یُدْخِلُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ اللہ تعالیٰ نے ان جنتوں کی صفت بیان کی یعنی اس جنت کی صفت جو متقین کے لیے تیار کی گئی۔ سورۂ رعد میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے مثال الجنۃ التی وعد المتقون قراءت کی ہے۔

فِیْهَاۤ اَنْهٰرٌ مِّنْ مَّآءٍ غَیْرِ اٰسِنٍ ایسا پانی جس کی بو تبدیل نہیں ہوتی۔ پانی میں آسن، آجن کی مثل ہے قد أسن اسماء یاسُن ویاسِن أسنا و أسونا جب اس کی بو تبدیل ہو جائے، اسی طرح أجَن الماء یاجُن، یاجِن أجنا و أجونا ہے۔ دونوں میں کسرہ کے ساتھ بھی پڑھا جاتا ہے۔ أجِن أسِن یاسَن ویاجَن اسنا و اجنا۔ یہ یزیدی نے کہا: اسن الرجل یاسن جب کسرہ کے ساتھ ہو جب وہ آدمی کنویں میں داخل ہو تو اسے کنویں کی بدبودار ہوا پہنچے یا اس کے علاوہ تو اس پر غشی طاری ہو جائے یا اس کا سر چکرا جائے۔ اس میں الوسن بھی مروی ہے۔ تاسّن الماءُ جب پانی متغیر ہو جائے ابو زید نے کہا تاسن علی تاسنا وہ بیمار ہو جائے اور سستی کرے۔ ابو عمرو نے کہا: تاسن الرجل اباہ۔ اس نے اپنے باپ کے اخلاق کو اپنایا۔ لحیانی نے کہا: جب اس نے اپنے باپ کی مشابہت اختیار کی۔ عام قراءت آسن، مد کے ساتھ ہے۔ ابن کثیر اور حمید نے أسن، ہمزہ مقصورہ کے ساتھ پڑھا ہے، یہ دونوں لغتیں ہیں جس طرح حاذر اور حذر۔ اخفش نے کہا: أسن یہ حال کا معنی دیتا ہے اور آسن سے مراد استقبال ہے۔

وَ اَنْهٰرٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ یَتَغَیَّرْ طَعْمُهٗ وہ زیادہ عرصہ رہنے کی وجہ سے کھٹے نہیں ہوں گے جس طرح دنیا کے دودھ زیادہ عرصہ رہنے کی وجہ سے کھٹے ہو جاتے ہیں۔ وَ اَنْهٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِیْنَ اسے پاؤں آلودہ نہیں کریں گے اور ہاتھ انہیں گدلا نہیں کریں گے جس طرح دنیا کی شراب ہوا کرتی ہے اس کا ذائقہ لذیذ اور مشروب عمدہ ہوگا پینے والے اسے ناپسند نہیں کریں گے یہ کہا جاتا ہے: مشروب لذّ و لذیذ۔ دونوں کا معنی ایک ہی ہے۔ استلذہ، اسے لذیذ شمار کیا۔

وَ اَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى عسل جو شہد کی مکھی کے لعاب سے بہتا ہے، مصفّٰی جو گوند اور آلودگی سے پاک ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے اسی طرح پیدا کیا اسے نہ آگ پر پکایا گیا اور نہ شہد کی مکھی نے اسے آلودہ کیا۔ ترمذی میں حکیم بن معاویہ نے اپنے باپ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کرتے ہیں: ”جنت میں پانی کا سمندر، شہد کا سمندر، دودھ کا سمندر اور شراب کا سمندر ہے پھر اس سے نہریں جاری ہوتی ہیں“ (1)۔ کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”سیحان، جیحان، نیل اور فرات سب جنت کے دریا ہیں“ (2)۔ کعب نے کہا: دریائے دجلہ جنتیوں کے پانی کا دریا ہے۔ دریائے فرات ان کے دودھ کا دریا

1۔ جامع ترمذی، کتاب صفۃ الجنۃ، ماجاء فی صفۃ انہار الجنۃ، جلد 2، صفحہ 80

2۔ صحیح مسلم، کتاب الجنۃ و صفۃ اہلہا، ماجاء فی صفۃ انہار الجنۃ، جلد 2، صفحہ 380

ہے، مصر کا دریا ان کے مشروب کا دریا ہے اور دریائے سیحان ان کے شہد کا دریا ہے۔ یہ چاروں دریا کوثر سے نکلتے ہیں۔ عسل مذکر و مونث ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى ' یہ شہد کی مکھیوں کے پیٹوں سے نہیں نکلا۔

وَ لَهُمْ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ من زائدہ ہے اور تاکید کے لیے ہے وَ مَغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ ان کے رب کی جانب سے ان کے گناہوں کی بخشش ہے كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِي النَّارِ فراء نے کہا: معنی ہے کیا وہ جو ان نعمتوں میں ہمیشہ رہے گا وہ اس کی طرح ہوگا جو جہنم میں ہمیشہ رہتا ہے۔ زجاج نے کہا: کیا وہ جو اپنے رب کی جانب سے واضح دلیل پر ہے اور اسے یہ اشیاء عطا کی گئی ہیں اس آدمی کی طرح ہوگا جس کے اعمال اس کے لیے مزین کیے گئے جبکہ وہ جہنم میں ہمیشہ کے لیے رہنے والا ہو۔ تو اس کا قول کمن، كَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ کا بدل ہے۔ ابن کیسان نے کہا: یہ جنت جس میں پھل اور نہریں ہیں ان کی مثال اس جہنم جیسی ہے جس میں کھولتا ہوا پانی اور زقوم ہوگا۔ ہمیشہ رہنے والی نعمتوں میں جنتیوں کی مثال ہمیشہ رہنے والی جہنم میں جہنمیوں کی مثل ہے۔

وَ سُقُوْا مَآءً حَمِيْمًا انہیں ایسا پانی پلایا جائے گا جو بہت زیادہ جوش مار رہا ہوگا۔ جب اس پانی کو ان کے قریب کیا جائے گا تو ان کے چہرے بھون دیئے جائیں گے اور ان کے سروں کی جلد اتر جائے گی۔ جب وہ اسے پئیں گے تو وہ ان کی آنتوں کو کاٹ دے گا اور ان کی دبر سے انہیں نکال دے گا امعاء یہ معی کی جمع ہے اس کا تثنیہ معیان ہے پیٹ میں جو انتڑیاں ہیں ان کو امعاء کہتے ہیں۔

وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۚ حَتّٰۤى اِذَا خَرَجُوْا مِنْ عِنْدِكَ قَالُوْا لِلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مَاذَا قَالَ اٰنِفًا ۫ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَ اتَّبَعُوْۤا اَهْوَآءَهُمْ ۝۱۶ وَ الَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَّ اٰتٰىهُمْ تَقْوٰىهُمْ ۝۱۷

''اور ان میں سے کچھ ایسے ہیں جو کان لگائے رکھتے ہیں آپ کی طرف حتیٰ کہ جب نکلتے ہیں آپ کے پاس سے تو کہتے ہیں اہل علم سے (کہ ذرا فرمایئے) یہ صاحب ابھی ابھی کیا کہہ رہے تھے، یہی وہ (بدبخت) ہیں مہر لگا دی ہے اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر اور وہ پیروی کرتے ہیں اپنی خواہشوں کی۔ اور جو لوگ راہ ہدایت پر چلے اللہ تعالیٰ بڑھا دیتا ہے ان کے نور ہدایت کو اور انہیں تقویٰ کی توفیق بخشتا ہے''۔

وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ یعنی وہ لوگ جو لطف اندوز ہوتے ہیں اور کھاتے ہیں جس طرح چوپائے کھاتے ہیں ان کے اعمال ان کے لیے مزین کیے گئے ہیں وہ آپ کی بات کو سنتے ہیں وہ منافق ہیں عبداللہ بن ابی بن سلول، رفاعہ بن تابوت، زید بن صلیت، حارث بن عمرو اور مالک بن دخشم، وہ جمعہ کے روز خطبہ میں حاضر ہوتے جب اس میں منافقوں کا ذکر سنتے تو اس سے اعراض کرتے، جب وہ باہر نکلتے تو اس کے بارے میں سوال کرتے (1)؛ یہ کلبی اور مقاتل کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ مومنوں کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے، آپ جو ارشاد فرماتے اسے سنتے مومن اسے یاد کر لیتے اور کافر اسے یاد نہ رکھتے۔

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 297

حَتّٰۤى اِذَا خَرَجُوْا مِنْ عِنْدِكَ جب وہ تیری مجلس سے جدا ہوتے قَالُوْا لِلَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ عکرمہ نے کہا: اس کا مصداق حضرت عبداللہ بن عباس ہیں (1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: میں وہ تھا جس سے پوچھا جاتا تھا یعنی میں اہل علم میں سے تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت میں مروی ہے کہ مراد حضرت عبداللہ بن مسعود ہیں (2)۔ عبداللہ بن بریدہ نے بھی اسی طرح کہا ہے کہ مراد حضرت عبداللہ بن مسعود ہیں۔ قاسم بن عبدالرحمن نے کہا: مراد حضرت ابو درداء ہیں۔ ابن زید نے کہا: مراد صحابہ کرام ہیں۔

مَاذَا قَالَ اٰنِفًا ابھی ابھی۔ وہ یہ بات استہزاء کے طور پر کرتے تھے یعنی میں نے ان کے قول کی طرف توجہ نہیں کی۔ اٰنِفًا سے مراد وہ گھڑی ہے جو اوقات میں سے سب سے زیادہ تیرے قریب ہو، یہ تیرے اس قول سے ماخوذ ہے: استأنفت الشئ۔ جب تو اس کی ابتدا کرے۔ اسی سے امر أنف اور روضة أنف ہے یعنی اسے کسی نے نہیں چرا۔ کأس انف۔ جب اس سے کوئی چیز نہ پی گئی ہو گویا اس کے پینے کو شروع کیا گیا، جس طرح روضة أنف۔ شاعر نے کہا:

ویحرم سر جارتهم علیهم ویأکل جارهم أنف القصاع

ان کی پڑوسن کا راز ان پر حرام ہوتا ہے اور ان کا پڑوسی ایسے پیالے سے کھاتا ہے جس کو پہلے نہیں کھایا گیا ہوتا۔

امرؤ القیس نے کہا: قد غدا یحملنی فی أنفه وہ مجھے آغاز میں ہی اٹھالیتا ہے۔

أنفُ کلّ شئ أوله۔ ہر شے کا انف اس کا اول ہوا کرتا ہے۔ قتادہ نے ان منافقین کے بارے میں کہا: لوگ دو قسم کے ہیں ایک آدمی جسے اللہ تعالیٰ کی جانب سے سمجھ بوجھ نصیب ہو تو اس نے جو سنا اس سے فائدہ اٹھایا، دوسرا وہ آدمی ہے جو سمجھ بوجھ نہ رکھتا ہو اور اس نے جو سنا اس سے فائدہ نہ اٹھایا۔ یہ بات بھی کی جاتی تھی: لوگ تین طرح کے ہیں۔ سننے والا عمل کرنے والا۔ سننے والا، سمجھنے والا۔ سننے والا، غافل اور ترک کرنے والا۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ پس وہ ایمان نہ لائے وَاتَّبَعُوْۤا اَهْوَآءَهُمْ۝ کفر اختیار کرنے میں اپنی خواہشات کی پیروی کی وَالَّذِیْنَ اهْتَدَوْا جنہوں نے ایمان کی طرف ہدایت پائی اللہ تعالیٰ نے ان کی ہدایت میں اضافہ کر دیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی ہدایت میں اضافہ کر دیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: قرآن سے جو وہ سنتے ہیں جو قرآن سراپا ہدایت ہے یعنی ان کے یقین میں اضافہ ہوتا ہے۔ فراء نے کہا: منافقوں کے اعراض اور ان کے استہزاء نے ان کی ہدایت میں اضافہ کر دیا (3)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ناسخ کے نزول نے ان کی ہدایت میں اضافہ کر دیا۔ وہ ہدایت جو ان میں زیادہ ہوئی اس میں چار قول ہیں: 1۔ ان کے علم میں اضافہ ہوا (4)؛ یہ ربیع بن انس کا قول ہے۔ 2۔ جو سنا اس کو جانا اور جو جانا اس پر عمل کیا؛ یہ ضحاک کا قول ہے۔ 3۔ دین کے بارے میں ان کی بصیرت میں اضافہ کیا اور اپنے نبی کی تصدیق میں اضافہ کیا؛ یہ کلبی کا قول ہے۔ 4۔ جس ایمان پر وہ پہلے سے موجود تھے اس کے بارے میں انہیں شرح صدر عطا فرمایا۔

وَاٰتٰىهُمْ تَقْوٰىهُمْ۝ یعنی ان میں تقویٰ کا الہام کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس میں پانچ وجوہ ہیں: 1۔ انہیں خشیت و

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 297 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً، جلد 5، صفحہ 298 4۔ ایضاً

خوف عطا فرمایا، یہ ربیع کا قول ہے۔ 2۔ آخرت میں انہیں تقویٰ کا ثواب عطا فرمایا؛ یہ سدی کا قول ہے۔ 3۔ جو امور ان پر فرض کیے گئے ان پر عمل کی انہیں توفیق عطا فرمائی؛ یہ مقاتل کا قول ہے۔ 4۔ جن چیزوں سے انہیں بچنا تھا وہ ان کے لیے بیان کر دیں؛ یہ ابن زید کا قول ہے اور سدی نے بھی یہ کہا ہے۔ 5۔ منسوخ کو ترک کرنا اور ناسخ پر عمل کرنا؛ یہ عطیہ کا قول ہے۔ ماوردی نے کہا: چھٹے کا بھی احتمال ہے رخصت کو ترک کرنا اور عزیمت کو اپنانا۔ وَاٰتٰهُمْ کی بجائے واعطاهم بھی پڑھا گیا ہے۔ عکرمہ نے کہا: یہ آیت ان افراد کے بارے میں نازل ہوئی اہل کتاب میں سے جو ایمان لائے تھے۔

فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنْ تَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً ۚ فَقَدْ جَآءَ اَشْرَاطُهَا ۚ فَاَنّٰى لَهُمْ اِذَا جَآءَتْهُمْ ذِكْرٰىهُمْ ﴿۱۹﴾

"پس کیا یہ لوگ انتظار کر رہے ہیں قیامت کا کہ آجائے ان پر اچانک بے شک اس کی نشانیاں تو آ ہی گئی ہیں (تو جب قیامت ان پر آ گئی) تو اس وقت ان کو سمجھنا کب نصیب ہوگا"۔

فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنْ تَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً۔ بغتة یعنی اچانک۔ یہ کفار کے لیے وعید ہے فَقَدْ جَآءَ اَشْرَاطُهَا اشراطها سے مراد اس کی علامات ہیں۔ انہوں نے اپنی کتابوں میں یہ پڑھا تھا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اس کی نشانیوں اور دلیلوں میں سے ایک ہے؛ یہ ضحاک اور حسن بصری کا نقطہ نظر ہے۔ صحیح میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "میں اور قیامت ان دو انگلیوں کی طرح مبعوث ہوئے ہیں" اور انگشت شہادت اور درمیانی انگلی کو ملایا (1)۔ الفاظ مسلم کے ہیں اسے امام بخاری، ترمذی اور ابن ماجہ نے نقل کیا ہے۔ روایت کی جاتی ہے: "میں اور قیامت گھڑ دوڑ کے دو گھوڑوں کی طرح یعنی مساوی ہیں"۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اشراط الساعة سے مراد اس کے اسباب ہیں جو بڑی نشانیوں سے کم ہیں، اسی وجہ سے لوگوں میں سے کم مرتبہ لوگوں کو الشرط کہتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: قیامت کی نشانیوں سے مراد چاند کا پھٹنا اور دھواں ہے؛ یہ حضرت بصری کا بھی قول ہے۔ کلبی سے مروی ہے: مال کی کثرت، تجارت، جھوٹی گواہی، قطع رحمی، شریف لوگوں کی کمی اور کمینے لوگوں کی کثرت ہے (2)۔ ہم نے کتاب "التذکرہ" میں اسے مفصل ذکر کیا ہے۔ اشراط کا واحد شرط ہے اس کا اصل معنی علامات ہیں اسی معنی میں شرط کا لفظ ذکر کیا جاتا ہے کیونکہ انہوں نے اپنے لیے ایک علامت بنائی ہوئی ہوتی ہے جس کے ذریعے وہ پہچانے جاتے ہیں، اسی معنی میں بیع وغیرہ میں شرط ہے۔ ابو الاسود نے کہا:

فإن كنتِ قد أزمعتِ بالصرم بيننا　　فقد جعلت أشراط أوله تبدو (3)

اگر تو نے ہمارے درمیان قطع تعلقی کا عزم کر لیا ہے تو اس کی ابتدائی علامات ظاہر ہونا شروع ہو گئی ہیں۔

یہ کہا جاتا ہے: أشرط فلان نفسه في عمل كذا فلاں نے اپنے نفس کو فلاں عمل سے آگاہ کیا اور نفس کو اس عمل کے لیے

1۔ صحیح مسلم، کتاب الفتن، باب قرب الساعة، جلد 2، صفحہ 406۔ ایضاً سنن ابن ماجہ، حدیث نمبر 43-4029، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 223　　3۔ ایضاً

خاص کر دیا۔ اوس بن حجر ایک آدمی کی تعریف کرتا ہے جو پہاڑ کی چوٹی سے ایک رسی کی مدد سے نبعہ (پہاڑی درخت جس سے قوسیں بنائی جاتی ہیں) کاٹنے کے لیے نیچے لٹکا تا کہ اس سے کمان بنائے:

فاشرط نفسه فيها وهو معصم وألقى بأسباب له وتوكلا (1)

اس نے اپنے آپ کو اس کام میں لگا دیا جبکہ وہ اس کو مضبوطی سے پکڑے ہوئے تھا اس نے رسیوں کے ساتھ اپنے آپ کو لٹکایا اور توکل کیا۔

اَنْ تَاْتِیَهُمْ بَغْتَةً۔ ان۔ الساعة سے بدل اشتمال ہے جس طرح ان تطئوهم، رجال مؤمنون ونساء مؤمنت (الفتح: 25) سے بدل ہے اسے بغتة۔ جزية کے وزن پر بھی پڑھا گیا ہے۔ یہ کلمہ غریب ہے مصادر میں اس کی مثل واقع نہیں ہوا؛ یہ ابی عمرو سے مروی ہے۔ زمخشری نے کہا: مجھے خوف لاحق ہے کہ راوی نے ابو عمرو سے روایت کرنے میں غلطی کی ہو اور صحیح بغتة ہو جس طرح حضرت بصری کی قراءت ہے۔ ابو جعفر رواسی اور دوسرے علماء نے اہل مکہ سے اَنْ تَاْتِیَهُمْ بَغْتَةً روایت کیا ہے۔ مہدوی نے کہا: جس نے اَنْ تَاْتِیَهُمْ بَغْتَةً پڑھا تو وقف السَّاعَةَ پر ہوگا۔ پھر شرط سے نئی کلام شروع ہوگی۔ کلام شک میں سے جس کا احتمال رکھتی ہے اسے خلق کی طرف پھیر دیا جائے گا گویا فرمایا: اگر اس کے آنے میں انہوں نے شک کیا ہے تو اس کی علامات تو آ گئی ہیں۔

فَاَنّٰى لَهُمْ اِذَا جَآءَتْهُمْ ذِكْرٰىهُمْ ۝ ۔ ذِكْرٰىهُمْ مبتدا ہے اور فَاَنّٰى لَهُمْ خبر ہے۔ جَآءَتْهُمْ میں ضمیر مرفوع السَّاعَةَ کے لیے ہے، تقدیر کلام یہ ہوگی فمن این لهم التذکر اذا جاءتهم الساعة یہ معنی قتادہ اور دوسرے علماء نے بیان کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہیں نجات کیسے ملے گی جب قیامت کے آنے پر ان کے پاس ذکری آ جائے گی؛ یہ ابن زید نے کہا ہے۔ ذکری میں دو وجوہ ہیں: 1۔ انہوں نے اچھے یا برے جو عمل کیے وہ انہیں یاد دلائے جائیں گے۔ 2۔ بشارت دینے یا خوف دلانے کے لیے انہیں ان کے ناموں سے بلانا (2)۔ ابان نے حضرت انس سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کرتے ہیں فرمایا: ''اپنے نام اچھے رکھا کرو تمہیں قیامت کے روز ان کے ساتھ بلایا جائے گا، اے فلاں! اپنے نور کی طرف اٹھ، اے فلاں! اٹھو تیرے لیے کوئی نور نہیں''۔ ماوردی نے اس کا ذکر کیا ہے (3)۔

فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَ لِلْمُؤْمِنِیْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَ اللّٰهُ یَعْلَمُ مُتَقَلَّبَكُمْ وَ مَثْوٰىكُمْ ۝

''پس آپ جان لیں کہ نہیں کوئی معبود بجز اللہ کے اور دعا مانگا کریں کہ اللہ آپ کو گناہ سے محفوظ رکھے نیز مغفرت طلب کریں مومن مردوں اور عورتوں کے لیے اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے تمہارے چلنے پھرنے اور آرام کرنے کی جگہوں کو''۔

فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ماوردی نے کہا: اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے بارے میں جانتے تھے تو اس میں تین

1۔ تفسیر طبری، جز 26، صفحہ 63 2۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 299 3۔ ایضاً

وجوہ ہوں گی۔ 1۔ جان لو کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے باخبر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کوئی معبود نہیں۔ 2۔ جس کو استدلال سے جانا ہے اسے خبر یقین کے ساتھ جان لو۔ 3۔ یاد کرو کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کوئی معبود نہیں۔ ذکر کو علم سے تعبیر کیا کیونکہ ذکر علم سے ہی ہوتا ہے۔ سفیان بن عیینہ سے مروی ہے کہ ان سے علم کی فضیلت کے بارے میں سوال کیا گیا تو فرمایا کیا تو نے اللہ تعالیٰ کا ارشاد نہیں سنا جب اس کا آغاز اس سے فرمایا فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ عمل کا حکم علم کے بعد دیا۔ فرمایا: اِعْلَمُوْۤا اَنَّمَا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا لَعِبٌ وَّ لَهْوٌ ---- سَابِقُوْۤا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ (الحدید: 21-20) فرمایا: وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّمَاۤ اَمْوَالُكُمْ وَ اَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ (الانفال: 28) بعد میں فرمایا: فَاحْذَرُوْهُمْ (التغابن: 14) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ (الانفال: 41) بعد میں عمل کا حکم دیا۔

وَ اسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ یہ دو وجوہ کا احتمال رکھتا ہے: 1۔ اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کرو کہ آپ سے گناہ واقع ہو۔ 2۔ اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرو کہ تجھے گناہوں سے محفوظ رکھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب آپ کے لیے کافروں اور مومنوں کی حالت کا ذکر کیا تو ایمان پر ثابت قدمی کا حکم دیا یعنی توحید و اخلاص میں سے جس حالت پر آپ ہیں اس پر ثابت قدم رہیں اور ان چیزوں سے احتیاط کرتے رہیں کہ جن کو بجالانے کی صورت میں استغفار کی ضرورت ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے اور مراد امت ہے۔ اس قول کی بنا پر آیت اس امر کو واجب کرتی ہے کہ انسان تمام مسلمانوں کے لیے استغفار کرے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سینہ کفار کے کفر اور منافقین کے نفاق سے تنگ پڑتا تو یہ آیت نازل ہوئی، یعنی یہ بات جان لو کہ جو تکلیف آپ کو ہے اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا اس کو دور کرنے والا کوئی نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا تیرا دل کسی کے ساتھ متعلق نہیں ہونا چاہیے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: آپ کو استغفار کا حکم اس لیے دیا تا کہ امت آپ کی اقتداء کرے۔

وَ لِلْمُؤْمِنِیْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ یعنی ان کے گناہوں کے لیے بخشش طلب کیجئے۔ یہ شفاعت کا امر ہے(1) مسلم، عاصم احول سے وہ عبداللہ بن سرجس مخزومی سے روایت نقل کرتے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے آپ کے ساتھ کھانا کھایا، میں نے عرض کی: یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ آپ کو بخش دے۔ تو ان کے ساتھی نے ان سے پوچھا: کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے لیے بخشش طلب کی ہے؟ فرمایا: ہاں اور تیرے لیے بھی۔ پھر اس آیت کی تلاوت کی: وَ اسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَ لِلْمُؤْمِنِیْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ پھر میں پھرا اور آپ کے دونوں کندھوں کے درمیان نبوت کی مہر کو دیکھا۔ جُمْعًا علیه خیلان کانه الثآلیل۔ وہ بند مٹھی نما چیز تھی جس پر تل تھے گویا وہ مسہ ہو۔

وَ اللّٰهُ یَعْلَمُ مُتَقَلَّبَكُمْ وَ مَثْوٰىكُمْ۠ اس میں پانچ اقوال ہیں: 1۔ وہ تمہارے اعمال کو جانتا ہے خواہ تو حالت سفر میں ہو یا حالت اقامت میں ہو۔ 2۔ مُتَقَلَّبَكُمْ یعنی دن کے وقت جو تمہارے اعمال ہیں۔ وَ مَثْوٰىكُمْ رات کے وقت جو تم سوتے ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مُتَقَلَّبَكُمْ سے مراد دنیا میں جو کچھ تم کرتے ہو اور مَثْوٰىكُمْ سے مراد دنیا اور آخرت میں جو کچھ تم کرتے

1۔ صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب اثبات ختم النبوۃ، جلد 2، صفحہ 260

ہو۔ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ضحاک کا نقطہ نظر ہے۔ عکرمہ نے کہا: مُتَقَلَّبَكُمْ سے مراد آباء کی پشتوں سے لے کر ماؤں کے رحموں تک (1)۔ مَثْوٰىكُمْ زمین میں تمہارے ٹھہرنے کی جگہ۔ ابن کیسان نے کہا: مُتَقَلَّبَكُمْ سے مراد پشت سے بطن اور بطن سے دنیا۔ اور مَثْوٰىكُمْ سے مراد قبریں ہیں۔

میں کہتا ہوں: عموم ان تمام صورتوں میں آتا ہے۔ انسان کی حرکات وسکنات میں سے کوئی چیز اللہ تعالیٰ کی ذات سے مخفی نہیں، اسی طرح اس کی تمام مخلوق مخفی نہیں، وہ ان تمام کو جانتا ہے قبل اس کے کہ وہ اکٹھے ہوں یا الگ الگ، پہلا ہو یا آخری ہو سبحانہ لا الٰہ الا ھو۔

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْلَا نُزِّلَتْ سُوْرَةٌ ۚ فَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ مُّحْكَمَةٌ وَّذُكِرَ فِيْهَا الْقِتَالُ ۙ رَاَيْتَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يَّنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ نَظَرَ الْمَغْشِيِّ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ۭ فَاَوْلٰى لَهُمْ ۝ طَاعَةٌ وَّقَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ ۣ فَاِذَا عَزَمَ الْاَمْرُ ۣ فَلَوْ صَدَقُوا اللّٰهَ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ۝

''اور اہل ایمان کہتے ہیں کیوں نہ اتری کوئی نئی سورت (جہاد کے بارے میں)۔ پس جب اتاری جاتی ہے کوئی واضح سورت اور اس میں جہاد کا ذکر ہوتا ہے تو آپ دیکھتے ہیں ان لوگوں کو جن کے دلوں میں (نفاق کا) روگ ہے کہ وہ تکتے ہیں آپ کی طرف جیسے تکتا ہے جس پر موت کی غشی طاری ہو، پس ان کے لیے بہتر یہ تھا کہ اطاعت کرتے اور اچھی بات کہتے پھر جب حکم ناطق ہو چکا تو اگر وہ سچے رہتے اللہ تعالیٰ سے تو یہ ان کے لیے بہتر ہوتا''۔

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا یعنی مخلص مومن کہتے ہیں۔ لَوْلَا نُزِّلَتْ سُوْرَةٌ ان کا کہنا وحی کے اشتیاق، جہاد اور اس کے ثواب کے حرص کی بنا پر ہے۔ لَوْلَا کا معنی ھلا ہے۔ فَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ مُّحْكَمَةٌ سورۂ محکم سے مراد جس میں نسخ نہ ہو۔ قتادہ نے کہا: ہر وہ سورت جس میں جہاد کا ذکر ہو اس کو محکم کہتے ہیں (2)۔ منافقین پر قرآن میں سے یہ شدید ترین ہوتی ہے۔ حضرت عبد اللہ کی قراءت میں فاذا أنزلت سورۃ محدثۃ ہے، یعنی جس کا نزول ابھی ابھی ہوا ہو۔ وَّذُكِرَ فِيْهَا الْقِتَالُ جس میں جہاد فرض ہو۔ اسے وذکر فیہا القتال بھی پڑھا گیا ہے کہ فعل معروف ہے اور قتال منصوب ہے۔ رَاَيْتَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مرض سے مراد شک اور نفاق ہے۔ يَّنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ نَظَرَ الْمَغْشِيِّ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ایسے آدمی کی نظر جس کی آنکھ میں کیچڑ ہو اور غیظ و غضب کا شکار ہو جس طرح ایک آدمی کی نظر موت کے وقت کھل جاتی ہے۔ یہ صورت حال جنگ سے بزدلی کی بنا پر ہوتی ہے جبکہ وہ جزع فزع کر رہے ہوتے ہیں اور دل سے کفار کی طرف میلان رکھتے ہیں۔

فَاَوْلٰى لَهُمْ ۝ طَاعَةٌ وَّقَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ جوہری نے کہا ان کا قول اولی لك یہ دھمکی اور وعید ہے۔ شاعر نے کہا:

1۔ زاد المسیر، جلد 4، صفحہ 191 2۔ تفسیر طبری، جز 26، صفحہ 65

فَأَوْلَى ثم أَوْلَى ثم أَوْلَى وهل لِلدَّرِّ يُحْلَبُ من مَرَدِّ

اصمعی نے کہا: اس کا معنی ہے جو چیز اس کو ہلاک کرتی ہے وہ اس کے قریب آپہنچی ہے یعنی اس پر نازل ہو چکی ہے اور یہ شعر پڑھا:

فعادَى بين هادِيَتَيْنِ منها وأَوْلَى أن يزيد على الثلاث

یعنی وہ زائد ہونے کے قریب ہے۔

ثعلب نے کہا: اصمعی نے اولی کے بارے میں جو کہا ہے اس سے بہتر کسی نے گفتگو نہیں کی۔ مبرد نے کہا: جو ہلاک کرنے کا ارادہ کرے پھر چھوٹ جائے۔ اولی لک یعنی تو ہلاکت کے قریب پہنچ گیا تھا، جس طرح یہ روایت کی گئی ہے کہ ایک بدو لگاتار شکار پر تیر چلا رہا تھا تو وہ تیر چوک جاتا وہ کہتا اولی لک پھر اس نے شکار کو تیر مارا تو وہ اس کے قریب ہوا پھر اس سے چوک گیا تو بدو نے کہا:

فلوكان أَوْلَى يُطعِمِ القومَ صِدْتُهم ولكنْ أَوْلَى يَتْرُكُ القومَ جُوَّعًا

اگر اولی قوم کو کھلاتا تو میں انہیں شکار کر لیتا لیکن اولی قوم کو بھوکا چھوڑتا ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ آدمی کے اس قول کی طرح ہے جو وہ اپنے ساتھی کو کہتا ہے: یا محروم أي شيءٍ فاتك! اے محروم! کون سی چیز تجھ سے فوت ہوئی۔ جرجانی نے کہا: یہ ویل سے مشتق ہے، یہ افعل کا وزن ہے لیکن اس میں قلب کا قاعدہ جاری ہو رہا ہے، وہ یہ ہے کہ فعل کا عین کلمہ لام کلمہ کی جگہ واقع ہوا ہے۔ فاولی لهم پر کلام مکمل ہو چکی ہے۔

قتادہ نے کہا: گویا یہ کہا عقاب ان کے قریب و موزوں ہے (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے انہیں مصیبت نے آلیا۔

پھر فرمایا: طَاعَةٌ وَّقَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ یعنی طاعت اور اچھی بات بہت بہتر ہیں؛ یہ سیبویہ اور خلیل کا مذہب ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تقدیر کلام یہ ہے أمرنا طاعة وقول معروف۔ مبتدا کو حذف کر دیا گیا اور اولی لهم پر وقف تام کیا گیا، اس طرح جس نے یہ مقدر کیا ہے۔ یقولون منا طاعة۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: دوسری آیت پہلی آیت کے ساتھ متصل ہے۔ لهم میں لام باء کے معنی میں ہے، یعنی الطاعة اولی وأليق لهم وأحق لهم من ترك إمتثال أمر الله یعنی اللہ تعالیٰ کے امر کو ترک کرنے کی بجائے طاعت زیادہ مناسب، موزوں اور لازم ہے؛ یہ حضرت ابی کی قراءت ہے۔ یقولون طاعة ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ طاعة، سورة کی صفت ہے تقدیر کلام یہ ہوگی فاذا انزلت سورة ذات طاعة اس صورت میں فاولی لهم پر عطف نہیں ہوگا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: ان کا قول طاعة یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے منافقین کے بارے میں خبر ہے۔ معنی ہوگا لَهُمْ ۚ طَاعَةٌ وَّقَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ ایک قول یہ کیا گیا: فرائض کا وجوب ان پر ہے۔ جب فرائض نازل ہوتے ہیں تو ان کا نزول ان پر شاق گذرتا ہے اس صورت میں فاولی پر وقف ہوگا۔

1۔ تفسیر طبری، جز 26، صفحہ 65

فَاِذَا عَزَمَ الْاَمْرُ جب جہاد لازم ہو جائے یا قتال کی فرضیت ثابت ہو جائے تو وہ اسے ناپسند کرتے ہیں۔ علماء نے اسے اذا کا جواب مکروہ جانا ہے۔ وہ محذوف ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے جب اصحاب امر عزم کر لیں۔

فَلَوْ صَدَقُوا اللّٰهَ اگر وہ ایمان اور جہاد میں اللہ تعالیٰ سے سچ بولتے تو وہ معصیت اور مخالفت کی بنسبت ان کے حق میں بہتر ہوتا۔

فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْٓا اَرْحَامَكُمْ ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فَاَصَمَّهُمْ وَاَعْمٰٓى اَبْصَارَهُمْ ۝ اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا ۝

''پھر تم سے یہی توقع ہے کہ اگر تم کو حکومت مل جائے تو تم فساد برپا کرو گے زمین میں اور قطع کر دو گے اپنی قرابتوں کو۔ یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ کی لعنت کی پھر (حق سننے سے) انہیں بہرا کر دیا اور ان کی آنکھوں کو اندھا کر دیا۔ کیا یہ لوگ غور نہیں کرتے قرآن میں یا (ان کے) دلوں پر قفل لگا دیئے گئے ہیں''۔

اس میں چار مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1 ۔ فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ ۔ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ کے معنی میں اختلاف ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ولایۃ سے مشتق ہے۔ ابو العالیہ نے کہا: معنی ہے تم سے یہی توقع ہے اگر تم حکومت کے والی بن جاؤ تو تم ایسے حکام بن جاؤ گے کہ رشوت لینے کے ساتھ زمین پر فساد برپا کرو گے(1)۔ کلبی نے کہا: تم سے یہی توقع ہے اگر تم امت کے امور کے ذمہ دار بن جاؤ تو تم زمین میں ظلم کے ذریعے فساد برپا کرو گے۔

ابن جریج نے کہا: معنی ہے تم سے یہ توقع ہے اگر تم طاعت سے رخ پھیرو گے تو تم زمین میں نافرمانیوں اور قطع رحمی کے ساتھ فساد برپا کرو گے(2)۔ کعب نے کہا: معنی ہے تم سے یہ توقع ہے اگر تم امر کے والی بن جاؤ تو تم ایک دوسرے کو قتل کرو گے۔ ایک قول یہ کیا گیا: معنی ہے کسی شے سے اعراض کرو۔ قتادہ نے کہا: تم سے یہی توقع ہے اگر تم کتاب اللہ سے اعراض کرو تو تم زمین میں حرام خون بہا کر فساد برپا کرو اور رشتہ داری کو ختم کرو۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: فَهَلْ عَسَيْتُمْ کا معنی ہے ممکن ہے اگر تم قرآن سے اعراض کرو اور اس کے احکام سے دور ہو تو تم زمین میں فساد برپا کرو اور اپنی جاہلیت کی طرف لوٹ جاؤ۔ اسے سین کے فتحہ اور کسرہ کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔ سورۂ بقرہ میں گفتگو گزر چکی ہے۔ بکر مزنی نے کہا: یہ آیت حروریہ اور خوارج کے بارے میں نازل ہوئی(3)۔ یہ قول حقیقت سے بعید ہے۔ زیادہ ظاہر بات یہ ہے کہ اس سے مراد منافقین ہیں۔ ابن حیان نے کہا: مراد قریش ہیں۔ اسی کی مثل مسیب بن شریک اور فراء نے کہا ہے دونوں نے کہا: یہ آیت بنی امیہ اور بنی ہاشم کے بارے میں نازل ہوئی۔ اس تاویل کی دلیل وہ روایت ہے جسے حضرت عبداللہ بن مغفل نے روایت کیا ہے۔ کہا میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: ''اس سے مراد قریش کا یہ

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 302 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً

قبیلہ ہے اللہ تعالیٰ نے ان سے وعدہ لیا اگر یہ لوگوں پر والی بنیں تو وہ زمین میں فساد برپا نہ کریں اور رشتہ داری کو ختم نہ کریں"۔

حضرت علی بن ابی طالب نے یوں قراءت کی ان تولیتم أن تفسدوا فی الأرض تاء، واو کے ضمہ اور لام کے کسرہ کے ساتھ، یہ ابن ابی اسحاق کی قراءت ہے اسے رویس نے یعقوب سے روایت کیا ہے وہ کہتے: اگر تم پر ظالم حکمران بن گئے تو تم ان کے ساتھ فتنہ میں نکلو گے اور تم ان کے ساتھ جنگ کرو گے۔ وَتُقَطِّعُوْٓا اَرْحَامَكُمْ۝ تم بغاوت، ظلم اور قتل کے ذریعے اپنی رشتہ داری کو ختم کرو گے۔ یعقوب، سلام، عیسیٰ اور ابو حاتم نے و تقطعوا تاء کے فتحہ اور قاف کی تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے: یہ قطع سے مشتق ہے وہ اس آیت پر استدلال کرتے وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ (البقرۃ: 27) ہارون نے ابو عمرو سے اس قراءت کو روایت کیا ہے۔ حضرت حسن بصری نے و تقطعوا حروف کو مفتوح اور مشدد پڑھا ہے۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: وَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ (الانبیاء: 93) پر قیاس کیا ہے باقی قراء نے و تقطعوا تاء کے ضمہ اور طاء کو مشدد پڑھا ہے۔ یہ تقطیع سے مشتق ہے جو کثرت کے معنی کو بیان کرتی ہے؛ یہ ابو عبید کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے۔ سورۂ بقرہ میں عسیتم کی بحث گذر چکی ہے۔ زجاج نے نافع کی قراءت میں کہا: اگر یہ جائز ہے تو عَسِیَ بھی جائز ہے۔ جوہری نے کہا: یہ کہا جاتا ہے عسیت أن افعل ذلك وعسیت اسے فھل عَسِیتم کسرہ کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے۔

میں کہتا ہوں: اس کا یہ قول دلالت کرتا ہے کہ یہ دونوں لغتیں ہیں۔ سورۂ بقرہ میں اس کے بارے میں گفتگو گذر چکی ہے۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ انہیں دھتکار دیا اور اپنی رحمت سے انہیں دور کر دیا۔ فَاَصَمَّهُمْ انہیں حق سے بہرہ کر دیا وَاَعْمٰٓى اَبْصَارَهُمْ۝ ان کے دلوں کو خیر سے اندھا کر دیا۔ ان خبروں کو اس کے پیچھے ذکر کیا کہ جس نے ایسا کیا اس پر اس کی لعنت ثابت ہوگئی اسکے کان اور آنکھ سے نفع حاصل کرنے کو سلب کرنا ثابت ہو جائے گا یہاں تک کہ وہ حق کی اطاعت نہیں کرے گا اگرچہ اس کو سنے تو اسے اس چوپائے کی مانند کر دیا جو عقل نہیں رکھتا، فرمایا: فَهَلْ عَسَيْتُمْ پھر فرمایا: اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ تو عربوں کی عادت کے مطابق خطاب سے غیب کی طرف رجوع کیا۔

مسئلہ نمبر 2۔ اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ یعنی کیا وہ نہیں سمجھتے کہ وہ جان جاتے جو اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے لیے تیار کر دیا ہے جو اسلام سے نہیں پھرے اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا۝ بلکہ دلوں پر قفل ہیں اللہ تعالیٰ نے جنہیں ان کے دلوں پر لگایا ہے پس وہ نہیں سمجھتے۔ یہ آیت قدریہ اور امامیہ کے مذہب کو رد کرتی ہے۔ حدیث مرفوع میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "ان پر ایسے تالے ہیں جس طرح لوہے کے تالے ہوتے ہیں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ انہیں کھولے گا"۔ قفل کا اصل معنی خشکی اور سختی ہے۔ جب درخت خشک ہو جائے تو اسے قفل کہتے ہیں، تقفیل بھی اسی کی مثل ہے۔ تقفیل کا معنی نباتات ہے۔ قفیل کا معنی آواز ہے۔ اقفله الصوم۔ روزے نے اسے خشک کر دیا؛ یہ قشیری اور جوہری کا قول ہے یہاں اقفال سے اشارہ دل کے بند ہونے اور ایمان سے خالی ہونے کی طرف ہے یعنی ایمان ان کے دلوں میں داخل نہیں ہوگا اور ان سے کفر باہر نہیں نکلے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے۔ یہاں عَلٰى قُلُوْبٍ فرمایا کیونکہ اگر علی قلوبهم ہوتا تو دوسروں کا دل اس میں داخل نہ ہوتا۔ مراد ہے ان کے دلوں پر اور جو دل ان کی صفت پر ہوں گے سب پر تالے لگے ہیں۔

مسئلہ نمبر 3۔ صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا یہاں تک کہ جب وہ ان کی تخلیق سے فارغ ہوا تو رحم اٹھ کھڑی ہوئی اس نے عرض کی: یہ قطع رحمی سے پناہ چاہنے والے کا مقام ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہاں، کیا تو اس بات پر راضی نہیں کہ جو تجھے جوڑے میں اسے جوڑوں اور جو تجھے قطع کرے میں اسے قطع کروں۔ رحم نے عرض کی: کیوں نہیں تو فرمایا: پس یہ تیرے لیے ہے“۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”چاہو تو یہ پڑھو فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْۤا اَرْحَامَكُمْ ﴿﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فَاَصَمَّهُمْ وَاَعْمٰۤى اَبْصَارَهُمْ ﴿﴾ اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا ﴿﴾“(1) آیت کا ظاہر یہ ہے کہ یہ تمام کفار کو خطاب ہے۔ قتادہ اور دوسرے علماء نے کہا: آیت کا معنی ہے امید ہے یا تمہارے بارے میں خوف ہے اگر تم ایمان سے اعراض کرو تو زمین میں خون بہانے کے ساتھ تم فساد کی طرف لوٹو(2)۔ قتادہ نے کہا: تم نے قوم کو کیسے دیکھا جب انہوں نے کتاب اللہ سے اعراض کیا کیا انہوں نے حرام خون کو نہیں بہایا، رحموں کو قطع نہیں کیا اور رحمٰن کی نافرمانی نہیں کی؟“۔

اس تعبیر کی بنا پر رحم سے مراد دین اسلام اور ایمان کی رحم ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اس ارشاد میں اخوۃ کا نام دیا ہے: انما المومنون اخوۃ۔ فراء کے قول کے مطابق آیت بنی ہاشم اور بنی امیہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے ان میں نفاق کو چھپایا اور قطع رحم سے اس امر کی طرف اشارہ کیا جو ان کے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان رشتہ داری تھی انہوں نے آپ کو جھٹلا کر اس کو توڑا۔ یہ قتال کو واجب کرتا ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے رحم کی دو صورتیں ہیں۔ عام، خاص۔ عام دین کا رحم ہے اس کو جوڑنا واجب ہے ایمان کو لازم پکڑنے کے ساتھ، ایمان داروں سے محبت اور ان کی مدد کرنے کے ساتھ، ان کے لیے اخلاص کا اظہار کرنا، ان کو نقصان نہ دینا، ان کے درمیان عدل کرنا، ان کے معاملہ میں انصاف کرنا، ان کے حقوق کو بجالانا جس طرح مریضوں کی تیمارداری کرنا، مردوں کے حقوق بجالانا، جیسے انہیں غسل دینا، ان کی نماز جنازہ پڑھنا، انہیں دفن کرنا اور اس کے علاوہ ان کے جو حقوق ہیں۔

جہاں تک رحم خاص کا تعلق ہے وہ ماں باپ کی جانب سے قرابت کی رحم ہے۔ ان کے لیے خاص حقوق اور زائد حقوق ثابت ہوتے ہیں، جس طرح نفقہ دینا، احوال کی خبر لینا، ضرورت کے وقت ان کے معاملات میں غفلت کو چھوڑ دینا، ان کے حق میں رحم عامہ کے حقوق موکد ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ جب حقوق متزاحم ہوں تو زیادہ قریبی پھر اس کے بعد والے کے حقوق کی ادائیگی کو شروع کیا جائے گا۔

بعض علماء نے کہا: وہ رحم جس کی صلہ رحمی واجب ہے وہ یہ ذی رحم محرم کی رشتہ داری ہے چچا زاد بھائیوں اور خالہ زاد بھائیوں میں یہ واجب نہ ہوگی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: بلکہ یہ ہر اس رشتہ داری میں ہے جو ایک دوسرے کے وارث بنتے ہیں وہ محرم ہو یا غیر محرم ہوں۔ اس سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ ماں کی رشتہ داری جس کی وجہ سے باہم وراثت جاری نہیں ہوتی ان کے ساتھ صلہ رحمی واجب نہ ہو اور ان کے ساتھ قطع رحمی حرام ہو۔ یہ صحیح نہیں۔ صحیح بات یہ ہے کہ جسے رحم عام ہو ہر حال میں

1۔ صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ والآدب، باب صلۃ الرحم وتحریم قطعیتها، جلد 2، صفحہ 315
2۔ تفسیر طبری، جز 26، صفحہ 67

ان کے ساتھ صلہ رحمی واجب ہے وہ خونی رشتہ ہو یا دینی رشتہ ہو، جس طرح ہم نے پہلے ذکر کیا ہے۔

ابو داؤد طیالسی نے اپنی مسند میں روایت نقل کی ہے کہ شعبہ، محمد بن عبد الجبار سے وہ محمد بن کعب قرظی سے وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: ''قیامت کے روز رحم کی زبان ہوگی۔ وہ عرض کرے گی: اے میرے رب! مجھے قطع کیا گیا، اے میرے رب! مجھ پر ظلم کیا گیا، اے میرے رب! میرے ساتھ برا سلوک کیا گیا تو اس کا رب اسے جواب دے گا: کیا تو اس بات پر راضی نہیں کہ جو تیرے ساتھ رشتہ جوڑے میں اس سے ساتھ تعلق جوڑوں اور جو تیرے ساتھ تعلق توڑے میں اس کے ساتھ تعلق کو منقطع کروں''۔

صحیح مسلم میں حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کرتے ہیں فرمایا: ''رشتہ داری کو قطع کرنے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا'' (1)۔ ابن ابی عربی نے کہا سفیان نے کہا: یعنی قطع رحمی کرنے والا! اسے امام بخاری نے روایت کیا ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ان اللہ تعالیٰ خلق الخلق حتی اذا فرغ منہ (2) یہاں خلق، اختراع کے معنی میں ہے اس کا اصل معنی اندازہ لگانا ہے جس طرح پہلے گذرا ہے۔ یہاں خلق، مخلوق کے معنی میں ہے اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: هٰذَا خَلْقُ اللّٰهِ (لقمان: 11) یعنی یہ اس کی مخلوق ہے۔ فرغ منہم سے مراد ان کی خلقت کو مکمل کیا۔ اس کا یہ معنی نہیں کہ ان کو پیدا کرنے میں مشغول ہوا پھر ان کی پیدائش سے فارغ ہوگیا، کیونکہ اس کا فعل مباشرہ، مناولہ کی صورت میں نہیں ہوا۔ اس کی تخلیق آلہ اور حیلہ سے نہیں ہوئی اللہ تعالیٰ کی ذات اس سے بالا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد: فقالت الرحم فقالت یہ کلام دو وجہوں میں سے ایک کا احتمال رکھتی ہے۔ 1۔ اللہ تعالیٰ فرشتوں میں سے کسی کو کھڑا کرے گا جو رحم کی جانب سے گفتگو کرے گا اور وہ یہ کہے گا، گویا اس عبادت پر کسی فرشتے کو معین کر دیا ہے جو رحم کی جانب سے اس ذمہ داری کو ادا کرے گا، جو صلہ رحمی کرتا ہے اس کے ثواب کو لکھتا ہے اور جو اسے قطع کرتا ہے اس کا بوجھ لکھتا ہے جس طرح اس نے باقی ماندہ اعمال کے لیے کراما کاتبین معین کیے ہیں اور نمازوں کے اوقات کے مشاہدہ کے لیے یکے بعد دیگرے آنے والے فرشتے معین کیے ہیں۔

2۔ یہ کلام تقدیر و تمثیل کی صورت میں ہے جو اس کے محفوظ کرنے اور بہت زیادہ اہتمام کرنے کا فہم عطا کرتی ہے، گویا کلام یوں کی اگر رحم ان چیزوں میں سے ہوتی جو سمجھ بوجھ رکھتی ہیں اور گفتگو کر سکتی ہیں تو وہ یہ گفتگو کرتیں جس طرح اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ (الحشر: 21) پھر فرمایا: وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ۝ (الحشر)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد: فقالت ھذا مقام العائذ بک من القطیعۃ اس کلام کا مقصود یہ ہے کہ یہ خبر دی جائے کہ صلہ رحمی

1۔ صحیح بخاری، کتاب الأدب باب اثم قاطع، جلد 2، صفحہ 885

2۔ صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ والأدب، باب صلۃ الرحم وتحریم قطعھا، جلد 2، صفحہ 315

کا امر موکد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے یہ حیثیت دی ہے جو اس آدمی کو حیثیت دی جاتی ہے کہ جو اس سے پناہ چاہتا ہے اللہ تعالیٰ اسے پناہ دیتا ہے اور اسے اپنی پناہ میں لے لیتا ہے۔ جب معاملہ اس طرح ہے تو اللہ تعالیٰ کا پڑوس اپنانے والا رسوا نہیں ہوتا اور اس کا وعدہ توڑا نہیں جاتا، اسی وجہ سے رحم سے خطاب کرتے ہوئے کہا: أما ترضين أن أصل من وصلك وأقطع من قطعك یہ اسی طرح ہے جس طرح نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ومن صلی الصبح فهو فی ذمة الله تعالی فلا یطلبنکم الله من ذمته شیٔ فانه من یطلبه بذمته شیٔ یدرکه ثم یکبه فی النار علی وجهه (1) جو آدمی صبح کی نماز پڑھتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں ہو جاتا ہے پس تم میں سے کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے ذمہ میں آئی ہوئی چیز میں سے کسی شے کا مطالبہ نہ کرے کیونکہ جو اس کے ذمہ میں موجود چیز کا مطالبہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے پکڑ لیتا ہے پھر اسے منہ کے بل آگ میں گرا دیتا ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ ارْتَدُّوا عَلَىٰ أَدْبَارِهِم مِّن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَى ۙ الشَّيْطَانُ سَوَّلَ لَهُمْ وَأَمْلَىٰ لَهُمْ ﴿٢٥﴾

”بے شک جو لوگ پیٹھ پھیر کر پیچھے ہٹ گئے باوجودیکہ ان پر ہدایت (کی راہ) ظاہر ہو چکی تھی شیطان نے انہیں فریب دیا اور انہیں لمبی زندگی کی آس دلائی“۔

قتادہ نے کہا: وہ اہل کتاب کے کفار ہیں۔ انہوں نے نبی کریم ﷺ کا انکار کیا جبکہ وہ نبی کریم ﷺ کی نعت سے بخوبی آشنا تھے، یہ ابن جریج کا قول ہے۔ حضرت ابن عباس، ضحاک اور سدی نے کہا: وہ منافق ہیں۔ قرآن حکیم میں جہاد کے حکم سے آگاہی کے بعد وہ جہاد کرنے کی بجائے گھروں میں بیٹھ گئے۔

الشَّيْطَانُ سَوَّلَ لَهُمْ شیطان نے ان کی خطاؤں کو مزین کیا؛ یہ حضرت حسن بصری کا قول ہے۔ أَمْلَىٰ لَهُمْ نے انہیں طویل آرزو دلائی اور لمبی عمر کا وعدہ کیا۔ حضرت حسن بصری سے مروی ہے۔ وہ ذات جس نے انہیں لمبی آرزویں دلائیں اور ان کی عمروں کو لمبا کر دیا وہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ یہ فراء اور مفضل کا قول ہے۔ کلبی اور مقاتل نے کہا أَمْلَىٰ لَهُمْ کا معنی ہے انہیں مہلت دی۔ اس تعبیر کی بنا پر اللہ تعالیٰ انہیں عذاب میں مہلت دینے والا ہے۔

ابو عمرو، ابن ابی اسحاق، عیسیٰ بن عمرو، ابو جعفر اور شیبہ نے وَأَمْلَىٰ لَهُمْ ﴿٢٥﴾ ہمزہ کے ضمہ، لام کے کسرہ اور یاء کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ مجہول کا صیغہ ہے۔ ابن ہرمز، مجاہد جحدری اور یعقوب نے اسی طرح پڑھا ہے مگر انہوں نے یاء کو ساکن پڑھا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات کے متعلق خبر دے رہا ہے کہ وہ یہ معاملہ ان کے ساتھ کرے گا گویا فرمایا: میں انہیں مہلت دیتا ہوں؛ ابو حاتم نے اسے پسند کیا ہے، کہا: ہمزہ کا فتحہ وہم دلاتا ہے شیطان انہیں آرزوئیں دلاتا ہے جبکہ معاملہ اس طرح نہیں، اسی وجہ سے ضمہ کی طرف عدول کیا۔ مہدوی نے کہا: جس نے پڑھا وامل لهم تو فاعل اللہ تعالیٰ کی ذات ہوگی۔ ایک قول یہ کیا گیا: مراد شیطان ہے۔ ابو عبید نے عام قراءت کو پسند کیا ہے، کہا: کیونکہ معنی معلوم ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لِتُؤْمِنُوا

1۔ صحیح مسلم، کتاب المساجد و مواضع الصلوٰۃ، باب فضل صلوٰۃ الجماعۃ، جلد 1، صفحہ 233

بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ ۚ وَتُسَبِّحُوْهُ (الفتح: 9) تُسَبِّحُوْهُ کی ضمیر غائب سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات لی اور توقیر وتعزیر کے فعل کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم کی طرف پھیرا ہے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لِلَّذِيْنَ كَرِهُوْا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ سَنُطِيْعُكُمْ فِيْ بَعْضِ الْاَمْرِ ۚ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِسْرَارَهُمْ ﴿۲۶﴾

''یہ اس لیے کہ انہوں نے کہا ان لوگوں کو جنہوں نے ناپسند کیا جو اللہ تعالیٰ نے اتارا کہ ہم تمہاری ایک بات میں اطاعت کریں گے اور اللہ تعالیٰ ان کے پوشیدہ مشوروں کو جانتا ہے''۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا یعنی انہیں یہ مہلت دی تا کہ وہ کفر میں دور چلے جائیں کیونکہ قَالُوْا میں واؤ ضمیر سے مراد منافقین اور یہودی ہیں۔

لِلَّذِيْنَ كَرِهُوْا سے مراد مشرک ہیں۔ سَنُطِيْعُكُمْ فِيْ بَعْضِ الْاَمْرِ، بعض الامر سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرنا، آپ کے دشمن میں باہم مدد کرنا، آپ کے ساتھ جہاد میں شریک ہونے کی بجائے گھر میں بیٹھ رہنا اور رازداری کے عالم میں آپ کی توہین کرنا۔ انہوں نے یہ بات رازداری کے عالم میں کی تھی تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو آگاہ کر دیا۔ عام قراءت اسرارھم ہے یہ سر کی جمع ہے؛ یہ ابو عبید اور ابو حاتم کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے۔ کوفہ کے قراء، ابن وثاب، اعمش، حمزہ، کسائی اور حفص نے عاصم سے اسرارھم نقل کیا ہے کہ یہ مصدر ہے اسی کی مثل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَاَسْرَرْتُ لَهُمْ اِسْرَارًا ﴿۹﴾ (نوح) یہاں جمع کا صیغہ ذکر کیا کیونکہ راز کی کئی صورتیں ہیں۔

فَكَيْفَ اِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ ﴿۲۷﴾

''پس ان کا کیا حال ہو گا جب فرشتے ان کی روحوں کو قبض کریں گے اور چوٹیں لگائیں گے ان کے چہروں اور پشتوں پر''۔

فَكَيْفَ یعنی ان کا حال کیسا ہو گا اِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ۔ یضربون، ضاربین کے معنی میں ہے۔ یہ حال کی جگہ واقع ہے۔ کلام کا معنی خوف دلانا اور دھمکانا ہے، یعنی اگر عذاب ان سے موخر ہو گیا تو عمر کے اختتام تک یہ سلسلہ ہو گا۔ سورۃ الانفال اور سورۃ النحل میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: کوئی آدمی معصیت پر فوت نہیں ہوتا مگر اس کے چہرے اور اس کی گدی پر شدید ضرب لگائی جاتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ جنگ کے وقت ہوتا ہے مقصود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد ہوتی ہے۔ فرشتے ان کے مونہوں پر مارتے ہیں جب وہ جنگ کا سامنا کرتے ہیں اور جب وہ بھاگتے ہیں تو ان کی پشتوں پر مارتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ قیامت کے روز ہو گا جب انہیں جہنم کی طرف ہانکا جا رہا ہو گا۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اتَّبَعُوْا مَاۤ اَسْخَطَ اللّٰهَ وَكَرِهُوْا رِضْوَانَهٗ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ ﴿۲۸﴾

''یہ [illegible] لیے ہے گی کہ انہوں نے پیروی کی اس کی جو اللہ کی ناراضگی کا باعث تھا اور ناپسند کیا اس کی

خوشنودی کو پس اس نے ان کے اعمال ضائع کر دیئے"۔

ذٰلِكَ تقدیر کلام یہ ہوگی ذلك جزاء هم۔ بِاَنَّهُمُ اتَّبَعُوْا مَاۤ اَسْخَطَ اللّٰهَ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جو نعت تورات میں تھی اسے انہوں نے چھپایا، اس سے مراد ان کا یہ عمل ہے۔ اگر اسے منافقین پر محمول کیا جائے تو مراد وہ کفر ہوگا جو انہوں نے اپنے سینہ میں چھپا رکھا ہے۔ وَ كَرِهُوْا رِضْوَانَهٗ رضوان سے مراد ایمان ہے فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ۠ اعمال سے مراد صدقہ اور صلہ رحمی وغیرہ کے اعمال ہیں، جس طرح یہ گفتگو پہلے گذر چکی ہے۔

اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَنْ لَّنْ يُّخْرِجَ اللّٰهُ اَضْغَانَهُمْ۝ وَ لَوْ نَشَآءُ لَاَرَيْنٰكَهُمْ فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسِيْمٰهُمْ ؕ وَ لَتَعْرِفَنَّهُمْ فِيْ لَحْنِ الْقَوْلِ ؕ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ اَعْمَالَكُمْ۝

"کیا خیال کرتے ہیں وہ لوگ جن کے دلوں میں (نفاق کی) بیماری ہے کہ اللہ تعالیٰ ظاہر نہیں کرے گا ان کے دلی کھوٹوں کو۔ اور اگر ہم چاہیں تو آپ کو دکھا دیں یہ لوگ سو آپ پہچان تو چکے ہیں ان کو ان کے چہرہ سے اور آپ ضرور پہچان لیا کریں گے انہیں ان کے انداز گفتگو سے، اور اللہ جانتا ہے تمہارے اعمال کو"۔

اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مرض سے مراد نفاق اور شک ہے مراد منافقین ہیں اَنْ لَّنْ يُّخْرِجَ اللّٰهُ اَضْغَانَهُمْ۝ اضغان سے مراد وہ چیز ہے جو ناپسندیدہ چیز چھپائے ہوئے ہیں۔ اس کے معنی میں اختلاف ہے۔ سدی نے کہا: اس کا معنی ان کا کھوٹ ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: مراد ان کا حسد ہے۔ قطرب نے کہا: مراد ان کی عداوت ہے اور شاعر کا قول ذکر کیا:

قل لابن هند ما أردت بمنطق ساء الصديق وشيد الأضغانا(1)

ابن ہند سے کہو میں نے ایسی گفتگو کا ارادہ نہیں کیا جو دوست کو بری لگے اور عداوت کو پختہ کرے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے مراد ان کے کینے ہیں۔ اس کا واحد ضغن ہے کہا:

وذی ضغن كففت النفس عنه میں نے کینہ والے سے اپنے نفس کو روکا۔

یہ بحث پہلے گذر چکی ہے۔ عمرو بن کلثوم نے کہا

وان الضغن بعد الضغن يفشو عليك ويُخرِج الداء الدفينا

کینے کے بعد کینہ تجھ پر ظاہر ہو جاتا ہے اور مخفی مرض کو باہر نکال دیتا ہے۔

جوہری نے کہا: ضغن اور ضغینه سے مراد کینہ ہے قد ضَغِن عليه ضِغنًا اس نے فلاں پر کینہ کیا۔

تضاغن القومُ واضْطَغَنُوا انہوں نے کینوں کو چھپایا۔ اضْطَغَنْتُ الصبيَّ جب تو نے بچے کو اپنی گود میں لیا۔ احمر نے یہ شعر پڑھا: كأنه مُضْطَغِنٌ صبيا گویا وہ بچے کو گود میں لیے ہوئے ہے۔

فرس ضاغن ایسا گھوڑا جو مار کے بغیر نہیں چلتا۔ معنی ہے کیا انہوں نے یہ گمان کیا ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ ان کی عداوت اور

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 304

کینے کو اہل اسلام کے لیے ظاہر نہیں کرے گا۔

وَ لَوْ نَشَآءُ لَاَرَيْنٰكَهُمْ یعنی اگر ہم چاہتے تو ہم تیری ان کو پہچان کرا دیتے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اللہ تعالیٰ نے آپ کی ان کو سورۂ براءت میں پہچان کرادی تھی۔ عرب کہتے ہیں: سأريك أصنعم یعنی جو کچھ میں کرنے والا ہوں تجھے اس کی پہچان کرادوں گا۔ اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ (النساء: 105) اس کے مطابق جو دکھا دیا آپ کو اللہ تعالیٰ نے۔

فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسِيْمٰهُمْ یعنی آپ ان کی ان کی علامتوں سے پہچان کرلیں گے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا: اس آیت کے بعد منافقوں میں سے کوئی بھی آپ کی ذات پر مخفی نہ رہا، آپ انہیں ان کی نشانیوں سے پہچانتے تھے۔ ہم ایک غزوہ میں تھے اس میں سات منافق تھے جن کے بارے میں لوگوں کو شک تھا ایک رات انہوں نے صبح کی تو ان میں سے ہر ایک کی پیشانی پر لکھا ہوا تھا: هذا منافق یہ منافق ہیں (1)۔ یہ ان کی نشانی تھی۔ ابن زید نے کہا: اللہ تعالیٰ نے ان کے اظہار کو مقدر کیا انہیں حکم دیا گیا کہ وہ مسجد سے نکلیں تو انہوں نے انکار کر دیا مگر یہ کہ وہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کے ساتھ چمٹے رہیں تو ان کے خون محفوظ ہو گئے انہوں نے نکاح کیا اور ان کے ساتھ نکاح کیا گیا۔

وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِيْ لَحْنِ الْقَوْلِ اور آپ انہیں ضرور پہچان لیں گے ان کی گفتگو کے معنی سے، اسی معنی میں شاعر کا قول ہے:

وخیر الکلام ما کان لَحْنًا (2) بہترین کلام وہ ہوا کرتی ہے جو معنی سے پہچانی جائے اور اس کی تصریح نہ کی جائے۔

یہ اللحن فی الإعراب سے ماخوذ ہے اس کا مطلب صحیح بات سے نکل جانا ہے، اسی معنی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: إنکم تختصمون إلیّ ولعل بعضکم أن یکون ألحَنَ بحجته من بعض (3) تم میرے سامنے اپنے جھگڑے پیش کرتے ہو ممکن ہے تم میں سے کوئی دلیل بیان کرنے میں دوسرے سے زیادہ قوت والا ہو یعنی وہ جواب میں دلیل کو لے جانے والا ہو کیونکہ وہ کلام کو پھیرنے کی طاقت رکھتا ہے۔ ابوزید نے کہا: لَحَنْتُ له ألحَنُ لَحْنًا جب تو اسے ایسی بات کرے وہ تجھ سے اس کا معنی سمجھ لے اور دوسرے پردہ مخفی رہ جائے۔ لَحِنَه هو عَنّی یلحنه لَحْنًا یعنی اسے سمجھا۔ ألحنته أنا إیاه میں نے اسے یہ سمجھایا۔ لاحنت الناس میں ان کو سمجھ گیا۔ فزاری نے کہا:

وحدیثٍ أَلَذُّهُ هو مما یَنْعَتُ النَّاعِتُونَ یُوزَنُ وَزْنًا

مَنطِقٌ رائعٌ وَیَلْحَنُ أحیا نًا وخیر الحدیث ما کان لحنًا

کتنی ہی باتیں ہیں جن سے میں لذت حاصل کرتا ہوں جو ان میں سے ہیں جن کی نعت بیان کرنے والے نعت بیان کرتے ہیں۔ اس کا وزن بیان کیا جاتا ہے خوبصورت گفتگو ہوتی ہے بعض اوقات اس میں لحن ہوتا ہے اور بہترین گفتگو وہ ہوتی ہے جو با معنی ہو۔

1۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 328 2۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 121

3۔ صحیح بخاری، کتاب الاحکام، موعظة الأمام للخصوم، جلد 2، صفحہ 1062

وہ مراد یہ لیتا ہے کہ وہ کسی چیز کے بارے میں گفتگو کرتی ہے اور ارادہ کسی اور چیز کا کرتی ہے وہ اپنی گفتگو میں تعریض کرتی ہے اور اپنی ذہانت وفطانت سے اسے اصل جہت سے پھیر دیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِي لَحْنِ الْقَوْلِ۔

کلبی نے کہا: اس آیت کے نزول کے بعد کسی منافق نے آپ سے گفتگو نہ کی مگر آپ نے اسے پہچان لیا(1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: منافق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی گفتگو کرتے تھے جس میں آپ کے سامنے تواضع سے کام لیا کرتے تھے جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم انہیں سن رہے ہوتے تھے اور ظاہر و معتاد معنی لیتے اللہ تعالیٰ نے آپ کو آگاہ کر دیا بعد میں جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی کلام سنتے تو انہیں پہچان لیتے تھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا: اس آیت کے نازل ہونے کے بعد کوئی منافق آپ پر مخفی نہ رہا اللہ تعالیٰ نے اس کی وحی یا کسی علامت کے ساتھ ذریعے پہچان کرادی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس علامت کو پہچان لیا تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کی پہچان کرادی تھی۔

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اَعْمَالَكُمْ۝ یعنی اس پر ان میں سے کوئی چیز مخفی نہیں۔

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ ۙ وَنَبْلُوَا اَخْبَارَكُمْ۝۳۱

''اور ہم ضرور آزمائیں گے تمہیں تا کہ ہم دیکھ لیں تم میں سے جو مصروف جہاد رہتے ہیں اور صبر کرنے والے ہیں اور ہم پرکھیں گے تمہارے حالات کو''۔

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ ہم تم پر شرعی احکام لازم کریں گے اگرچہ ہم امور کے عواقب کو اچھی طرح جانتے ہیں ایک قول یہ کیا گیا ہے ہم تمہارے ساتھ ممتحن کا سا معاملہ کریں گے۔

حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: حَتّٰى نَعْلَمَ کا معنی ہے ہم جدا جدا کر دیں۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے کہا: یہاں تک کہ ہم دیکھ لیں۔ سورۂ بقرہ میں یہ بحث گذر چکی ہے۔ عام قراءت نون کے ساتھ ہے نَبْلُوَنَّكُم، نَعْلَم، نَبْلُوا۔

ابوبکر نے عاصم سے یاء کے ساتھ پڑھا ہے اور رویس نے یعقوب سے واؤ کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے یعنی نبلو۔ کیونکہ یہ ماقبل سے الگ ہے۔ باقی قراء نے اسے منصوب پڑھا ہے کیونکہ اس کا تعلق حَتّٰى نَعْلَمَ کے ساتھ ہے، یہ علم وہ ہے جس کے ساتھ جزا واقع ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزا علم قدیم کی بنا پر نہیں دے گا بلکہ ان کے اعمال پر جزا دے گا۔ اس کی تاویل یہ ہے یہاں تک ہم مجاہدین کو علم شہادت سے جان لیں کیونکہ انہیں عمل کا حکم دیا گیا انہوں نے جو کیا ہے اللہ تعالیٰ اس کو دیکھتا ہے ثواب و عقاب کی جزا علم شہادت پر ہوگی۔

وَنَبْلُوَا اَخْبَارَكُمْ۝ ہم ان کو آزمائیں اور ہم انہیں ظاہر کریں۔ ابراہیم بن اشعث نے کہا: جب حضرت فضیل بن عیاض اس آیت کو پڑھا کرتے تھے تو رو دیا کرتے اور دعا کرتے: اے اللہ! ہمیں نہ آزما کیونکہ جب تو ہمیں آزمائے گا تو تو ہمیں رسوا کر دے گا اور ہمارے پردوں کو چاک کر دے گا(2)۔

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 305
2۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 328

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَن سَبِيلِ اللَّهِ وَشَاقُّوا الرَّسُولَ مِن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَىٰ لَن يَضُرُّوا اللَّهَ شَيْئًا وَسَيُحْبِطُ أَعْمَالَهُمْ ۝

''بے شک جو لوگ خود بھی کفر کرتے رہے اور لوگوں کو بھی روکتے رہے اللہ کی راہ سے اور مخالفت کرتے رہے رسول (کریم) کی باوجود یکہ ظاہر ہو چکی تھی ان کے لیے راہ ہدایت وہ قطعاً اللہ تعالیٰ کو کچھ ضرر نہیں پہنچا سکتے اور اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کو اکارت کر دے گا''۔

یہ آیت منافقوں یا یہودیوں کی طرف لوٹتی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: مراد وہ لوگ ہیں جو غزوہ بدر کے موقع پر کھانا کھلایا کرتے تھے، اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوا عَن سَبِيلِ اللَّهِ (الانفال:36)

وَشَاقُّوا الرَّسُولَ یعنی رسول سے دشمنی کی اور اس کی مخالفت کی۔ مِن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَىٰ یعنی وہ دلائل اور آیات سے جانتے تھے کہ آپ نبی ہیں۔ لَن يَضُرُّوا اللَّهَ شَيْئًا وہ اپنے کفر کے باعث اللہ تعالیٰ کو کچھ نقصان نہیں پہنچائیں گے۔ وَسَيُحْبِطُ أَعْمَالَهُمْ ۝ انہوں نے جو عمل کیا اس کا ثواب برباد کر دیتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَلَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ ۝

''اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ تعالیٰ کی اور اطاعت کرو رسول (مکرم) کی اور نہ ضائع کرو اپنے عملوں کو''۔

اس میں دو مسئلے ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ جب کفار کی حالت کو بیان کیا تو مومنوں کو حکم دیا کہ اللہ تعالیٰ کے اور رسول اللہ کی سنن میں طاعت کو لازم پکڑو۔

وَلَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ ۝ یعنی اپنی نیکیوں کو معاصی کے ساتھ باطل نہ کرو(1)، یہ حضرت حسن بصری کا نقطہ نظر ہے۔ زہری نے کہا: کبیرہ گناہ کر کے اپنے اعمال کو باطل نہ کرو(2)۔ ابن جریج نے کہا: ریا کاری اور شہرت کی خواہش کر کے اپنے اعمال باطل نہ کرو(3)۔ مقاتل اور ثمالی نے کہا: احسان جتلا کر اپنے اعمال کو باطل نہ کرو۔ یہ اسے خطاب ہے جو اسلام قبول کرنے کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر احسان جتلایا کرتا تھا۔ سب معانی قریب قریب ہیں۔ حضرت حسن بصری کا قول سب کو جامع ہے۔ اس میں یہ اشارہ موجود ہے کہ کبیرہ گناہ طاعات کو برباد کر دیتا ہے اور نافرمانیاں ایمان سے خارج کر دیتی ہیں۔

مسئلہ نمبر 2۔ ہمارے دوسرے علماء نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ نفل نماز ہو یا روزہ اس کو شروع کرنے کے بعد چھوڑ دینا جائز نہیں کیونکہ اس میں عمل کا ابطال ہے جبکہ اللہ تعالیٰ نے اس سے منع کیا ہے۔ جس نے اس کی اجازت دی یعنی امام شافعی وغیرہ انہوں نے کہا: اس سے مراد فرض عمل کا ثواب ہے تو ایسے آدمی کو اپنے عمل کے ثواب کو باطل کرنے سے منع

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 306 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً

کیا گیا۔ جہاں تک نفل عمل کا تعلق ہے اسکے شروع کرنے کے بعد توڑنا کوئی منع نہیں، کیونکہ یہ اس پر واجب نہیں تھا۔ اگر وہ یہ گمان کریں کہ لفظ عام ہے تو عام کی تخصیص جائز ہے۔ اس کی تخصیص کی دلیل یہ ہے کہ نفل زائد عمل ہوتا ہے اور زائد عمل اختیار کا تقاضا کرتا ہے۔

ابو العالیہ سے مروی ہے: لوگوں کا خیال تھا اسلام لانے کے بعد کوئی گناہ نقصان نہیں پہنچاتا یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی تو لوگ اعمال کی بربادی کے ڈر سے گناہ کبیرہ سے ڈرنے لگے۔ مقاتل نے کہا: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے جب تم نے رسول کی نافرمانی کی تو تم نے اپنے اعمال کو باطل کر دیا۔

اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَ صَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ثُمَّ مَاتُوْا وَ هُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ یَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ۝

”بے شک جو لوگ خود بھی کفر کرتے رہے اور دوسروں کو بھی حق سے روکتے رہے پھر وہ مر گئے کفر کی حال میں تو اللہ تعالیٰ انہیں ہرگز نہیں بخشے گا“۔

اس امر کو واضح کیا کہ کفر کی صورت میں موت یہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں رہنے کو واجب کر دیتی ہے۔ سورۂ بقرہ میں یہ وضاحت گذر چکی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ آیت کا مصداق غزوہ بدر کے گڑھے میں ڈالے جانے والے لوگ ہیں (1)۔ اس آیت کے احکام عام ہیں۔

فَلَا تَهِنُوْا وَ تَدْعُوْۤا اِلَى السَّلْمِ ۖۗ وَ اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ ۖۗ وَ اللّٰهُ مَعَكُمْ وَ لَنْ یَّتِرَكُمْ اَعْمَالَكُمْ ۝

”(اے فرزندان اسلام!) ہمت مت ہارو اور (کفار کو) صلح کی دعوت مت دو تم ہی غالب آؤ گے اور اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہے اور وہ تمہارے اعمال اور (کوششوں) کو ضائع نہیں ہونے دے گا“۔

اس میں تین مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ فَلَا تَهِنُوْا تم قتال سے ضعف کا اظہار نہ کرو۔ وھن کا معنی ضعف ہے۔ وقد وَهَنَ الإنسان وَوَهَنَهٗ غیرہ یہ کبھی متعدی ہوتا ہے اور کبھی غیر متعدی ہوتا ہے۔ شاعر نے کہا: إنَّنی لست بموهونٍ فَقِرْ وهن کسرہ کے ساتھ بھی استعمال ہوتا ہے اس کا معنی بھی کمزور ہوتا ہے۔ اسے فما وھنوا بھی پڑھا گیا ہے یعنی ھاء پر ضمہ اور کسرہ ہے۔ سورۂ آل عمران میں یہ بحث گذر چکی ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ وَ تَدْعُوْۤا اِلَى السَّلْمِ السلم کا معنی صلح ہے وَ اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ تم ان کی بنسبت اللہ تعالیٰ کی ذات کے بارے میں بہتر جانتے ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تم دلیل دینے میں غالب ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تم غالب ہو

1۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 329

کیونکہ تم مومن ہو اگرچہ بعض احوال میں وہ تم پر غالب آجائیں گے۔ قتادہ نے کہا: تم پہلا ایسا طائفہ نہ بنو جو اپنے مدمقابل کے سامنے مغلوب ہو گیا (1)۔

مسئلہ نمبر 3۔ علماء نے اس کے حکم میں اختلاف کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ اللہ تعالیٰ کے فرمان: وَ اِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا (الانفال: 61) کے لیے ناسخ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے صلح کی طرف میلان کرنے سے منع کیا ہے جب مسلمانوں کو صلح کی ضرورت نہ ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ محکم ہے۔ دونوں آیات دو مختلف الحال وقتوں میں نازل ہوئی ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وَ اِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا یہ مخصوص افراد کے بارے میں ہے، جبکہ دوسری عام ہے۔ کفار کے ساتھ صلح ضرورت کے وقت ہی ہوگی۔ اس کی صورت یہ ہو سکتی ہے جب مسلمانوں کے ضعف کی وجہ سے ہم ان کا مقابلہ کرنے سے عاجز ہوں۔ یہ بحث مفصل گذر چکی ہے۔

وَ اللّٰهُ مَعَكُمْ اللہ تعالیٰ نصرت اور مدد کرنے میں تمہارے ساتھ ہے جس طرح ارشاد ہے: وَ اِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۶۹﴾ (العنکبوت)

وَ لَنْ يَّتِرَكُمْ اَعْمَالَكُمْ ﴿۳۵﴾ یعنی وہ تمہارے اعمال میں کمی نہیں کرے گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دوسرے علماء سے یہ قول مروی ہے اسی سے ایک لفظ موتور ہے جس کا کوئی آدمی قتل ہو جائے تو اس کا قصاص نہ لیا جا سکے۔ اس کا باب یوں چلے گا وَتَرَهٗ يَتِرَهٗ وَتْرًا وَتِرَةً۔ اسی معنی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: من فاتته صلاة العصر فكأنما وتر أهله وماله (2) جس آدمی کی عصر کی نماز فوت ہو جائے گویا اس کے اہل اور مال میں نقصان ہو گیا، اسی طرح یہ جملہ بولا جاتا ہے: وترہ حقه اس نے اسکے حق میں کمی کی۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ لَنْ يَّتِرَكُمْ اَعْمَالَكُمْ اللہ تعالیٰ تیرے اعمال میں کمی نہیں کرتا۔ جس طرح تو کہتا ہے: دخلت البيت، أنت تريد في البيوت یعنی ایک جملہ میں فی صلہ موجود ہے اور دوسرے میں نہیں ہے؛ یہ جوہری کا نقطہ نظر ہے۔ فراء نے کہا: وَ لَنْ يَّتِرَكُمْ یہ وتر سے مشتق ہے جس کا معنی فرد ہے معنی ہوگا، یعنی تمہیں ثواب کے بغیر تنہا نہیں چھوڑے گا۔

اِنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّ لَهْوٌ ؕ وَ اِنْ تُؤْمِنُوْا وَ تَتَّقُوْا يُؤْتِكُمْ اُجُوْرَكُمْ وَ لَا يَسْـَٔلْكُمْ اَمْوَالَكُمْ ﴿۳۶﴾ اِنْ يَّسْـَٔلْكُمُوْهَا فَيُحْفِكُمْ تَبْخَلُوْا وَ يُخْرِجْ اَضْغَانَكُمْ ﴿۳۷﴾

''یہ دنیوی زندگی تو محض ایک کھیل اور تماشا ہے اور اگر تم ایمان لاؤ اور پرہیزگار بن جاؤ تو وہ تمہیں تمہارے اجر عطا کرے گا اور وہ طلب نہ کرے گا تمہارے مال۔ اگر وہ طلب کرے تم سے تمہارے مال اور اس پر اصرار کرے تو تم بخل کرنے لگو اور (یوں) ظاہر کردے گا تمہاری ناگواریوں کو''۔

اِنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّ لَهْوٌ سورۃ الانعام میں یہ بحث گذر چکی ہے۔ وَ اِنْ تُؤْمِنُوْا وَ تَتَّقُوْا يُؤْتِكُمْ اُجُوْرَكُمْ یہ کلام شرط اور جواب ہے۔ وَ لَا يَسْـَٔلْكُمْ اَمْوَالَكُمْ ﴿۳۶﴾ یعنی وہ تمہیں حکم نہیں دیتا کہ تم زکوٰۃ میں سارا مال ہی دے دو بلکہ اس نے بعض

1۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 329　　2۔ صحیح مسلم، کتاب الصلوٰۃ، التغليظ في تفويت العصر، جلد 1، صفحہ 226

مال نکالنے کا حکم دیا ہے؛ یہ ابن عیینہ اور دوسرے علماء کا نقطہ نظر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے وہ تمہارے اموال اپنی ذات کے لیے یا اپنی کسی ضرورت کے لیے نہیں مانگتا وہ تمہیں اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کا حکم دیتا ہے تا کہ اس کا ثواب تمہاری طرف لوٹے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد ہے وہ تم سے اپنے اموال کا سوال کرتا ہے کیونکہ اموال کا وہی مالک ہے اور وہ عطا فرما کر احسان کرنے والا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حضرت محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء رسالت کی تبلیغ پر تم سے کسی اجر کا سوال کرنے والے نہیں اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: قُلْ مَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ (الفرقان: 57)

اِنْ يَّسْـَٔلْكُمُوْهَا فَيُحْفِكُمْ یعنی وہ تم سے اصرار کرتا، یہ کہا جاتا ہے: أحفی بالمسألة، الحف اور الحب کا ایک ہی معنی ہے۔ حفی اسے کہتے ہیں جو سوال کرنے میں انتہا تک جائے، اسی طرح احفاء کا لفظ گفتگو اور منازعہ میں بہت دور تک جانا ہے۔ اسی معنی میں أحفی شاربہ ہے، یعنی اس نے مونچھیں کاٹنے میں بہت سختی کی۔

تَبْخَلُوْا وَيُخْرِجْ اَضْغَانَكُمْ ۝ یعنی بخل تمہاری ناگواری کو ظاہر کر دے گا۔ قتادہ نے کہا: اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ مال کا سوال کرنے میں ناگواری کا اظہار ہوتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، ابن محیصن اور حمید نے وتخرج پڑھا اور أضغانکم کو مرفوع پڑھا ہے کیونکہ وہ فاعل ہے۔

ولید نے یعقوب حضرمی سے ونخرج نقل کیا ہے۔ ابو معمر، عبدالوارث سے وہ ابو عمرو سے ویخرج جیم میں رفع کے ساتھ پڑھا ہے کہ یہاں گفتگو ختم ہوتی ہے اور پھر نئی کلام شروع ہوتی ہے، ان سے مشہور ویخرج ہے جس طرح باقی قراء کی قراءت ہے اس کا عطف ماقبل کلام پر ہے۔

هٰۤاَنْتُمْ هٰۤؤُلَآءِ تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ فَمِنْكُمْ مَّنْ يَّبْخَلُ ۚ وَمَنْ يَّبْخَلْ فَاِنَّمَا يَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ ۭ وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ ۚ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۙ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ ۝

''ہاں تم ہی وہ لوگ ہو جنہیں دعوت دی جاتی ہے کہ (اپنے مال) خرچ کرو اللہ کی راہ میں پس تم میں سے کچھ بخل کرنے لگتے ہیں اور جو شخص بھی بخل کرتا ہے تو وہ اپنی ذات سے بخل کر رہا ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ تو غنی ہے (کسی کا محتاج نہیں) بلکہ تم (اس کے) محتاج ہو اور اگر تم روگردانی کرو گے (تو اس سعادت سے محروم کر دیئے جاؤ گے) اور تمہارے عوض وہ دوسری قوم لے آئے گا پھر وہ تم جیسے نہ ہوں گے''۔

هٰۤاَنْتُمْ هٰۤؤُلَآءِ تُدْعَوْنَ اے مومنو! تم ہی وہ ہو جن کو دعوت دی جاتی ہے۔

لِتُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ یعنی تم جہاد اور بھلائی کے راستہ میں خرچ کرو۔ فَمِنْكُمْ مَّنْ يَّبْخَلُ ۚ وَمَنْ يَّبْخَلْ فَاِنَّمَا يَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ یہاں عن، علی کے معنی میں ہے، یعنی اجر و ثواب اسے روکتا ہے وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ یعنی وہ تمہارے اموال کا محتاج نہیں وَ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ تم اموال کے محتاج ہو وَ اِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ یعنی ایسی قوم لے آئے گا جو تمہاری بنسبت اللہ

تعالیٰ کے زیادہ محتاج ہوں گے۔ امام ترمذی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تلاوت کی وَ اِنْ تَتَوَلَّوْا یَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَیْرَكُمْ ثُمَّ لَا یَكُوْنُوْۤا اَمْثَالَكُمْ ۝ صحابہ نے پوچھا: ہماری جگہ کن لوگوں کو بدل دیا جائے گا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلمان فارسی کے کندھے پر ہاتھ مارا پھر فرمایا: ''یہ اور اس کی قوم، یہ اور اس کی قوم'' (1)۔ کہا: یہ حدیث غریب ہے۔ اس میں سند میں اعتراض کی گنجائش ہے۔

عبداللہ بن جعفر بن نجیح جو علی بن مدینی کے والد تھے نے یہ حدیث علاء بن عبدالرحمٰن سے وہ اپنے باپ سے وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ صحابہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! وہ کون لوگ ہیں (2) جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے کیا اگر ہم روگردانی کریں تو ان کو ہماری جگہ لے آیا جائے گا پھر وہ ہماری مثل نہ ہوں گے؟ کہا: حضرت سلمان فارسی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلمان فارسی کی ران پر ہاتھ مارا فرمایا: ''یہ اور اس کے ساتھی اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! اگر ایمان ثریا کے ساتھ لٹک رہا ہوگا تو فارس کے لوگ اس کو حاصل کرلیں گے'' حضرت حسن بصری نے کہا: وہ عجمی لوگ ہیں (3)۔ عکرمہ نے کہا: وہ فارس اور روم کے لوگ ہیں۔ محاسبی نے کہا: عربوں کے بعد تمام عجمی لوگوں میں سے ایرانیوں سے بڑھ کر کوئی دین میں اچھا ہوگا اور ان میں سے ہی علماء ہوں گے۔

ایک قول کیا گیا ہے: وہ یمنی ہیں اور وہی انصار ہیں؛ یہ شریح بن عبید نے کہا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اسی طرح کہا ہے: وہ انصار ہیں۔ ان سے یہ بھی مروی ہے کہ وہ ملائکہ ہیں۔ ان سے یہ بھی مروی ہے: وہ تابعی ہیں۔ مجاہد نے کہا: مراد وہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ چاہے گا۔

ثُمَّ لَا یَكُوْنُوْۤا اَمْثَالَكُمْ ۝ طبری نے کہا: اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے سے بخل کرنے میں وہ تمہاری طرح نہ ہوں گے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے خوش ہوئے اور فرمایا: ''یہ دنیا سے زیادہ مجھے محبوب ہے''۔

1۔ جامع ترمذی، کتاب التفسیر، سورۂ محمد صلی اللہ علیہ وسلم، جلد 2، صفحہ 158 2۔ ایضاً 3۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 331